| | |
|---|---|
| وصلت الی مقام شہود صدق | یحق به نعیمه لا یزول |
| فانت لدی الالہ بخیر عیش | وانت لخیلنا سلف رعیل |
| بنفسی روضة فی ارض قدس | بماجدت له شرف نبیل |
| زیارته الحیاة لکل قلب | وتربته بها یشفی العلیل |
| اذا فقد الریاض عبیر ورد | فماء الورد عن ذاك البدیل |
| وان افلت ذکاء فان نجما | ظلام اللیل عن افق یزیل |
| فصبرا یا آل اشرف ان فیکم | نجوما یهتدی بهم الضلول |
| وما مات الذی ابقی قلوبا | بنور ماله ابدا افول |
| علیه من المهیمن کل حین | شآبیب الکرامة والطلول |

جریح الفؤاد اضعف العباد ظفر احمد العثمانی التھانوی کان اللہ لہ غرہ شعبان سنہ ۱۳۶۲ھ

**تصحیح** گذشتہ پرچہ میں موت العالم کے تحت ص۲۲ سطر ۷ میں مولانا شبیر علی صاحب کے یاد فرمانیکا ذکر ہے اسکے بعد یہ اضافہ کیا جائے کہ اسی کیساتھ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا ظفر احمد صاحب کو بھی یاد فرمایا مگر وہ بھی نہ تھے مغرب کی نماز کو چلے گئے تھے "

ص۲۲ سطر ۹ میں جس بشارت نامہ کا ذکر ہے وہ وفات سے دو دن پہلے کا واقعہ ہے مولانا ظفر احمد صاحب رقام فرماتے ہیں "صاحب و ل سے دو ن پہلے ظہر کے بعد جب حضرت مسلسل باتیں کر رہے تھے اور طبیعت بافاقہ معلوم ہوتی تھی وہ بندہ[1] اسی مجلس میں حاضر تھے فرمایا تمھارا لاؤ، تمھارا حق ہیش کیا گیا، اسمین سے ایک پرچہ نکال کر کانپتے ہوئے ہاتھ سے تحریر فرمایا ھنیئا لکم نموذج ایۃ وجعلنا ہا وابنہا آیۃ للعالمین پھر مجھے بلا کر یہ تحریر عطا فرمائی اور فرمایا مجھ سے صاف نہیں لکھا گیا، اگر نہ پڑھ سکو پھر لکھدوں عرض کیا حضرت کو اسکے لکھنے میں بہت کلفت ہوئی ہوگی بظاہر تو تعمیل نہ ہوگی، صرف لفظ اول نہیں پڑھا گیا، اسکو زبانی ارشاد فرمایا جاوے فرمایا ھنیئا لکم مبارکباد، اس پر میں نے خوشی کی تو ہنسکر فرمایا ہاں خوشی کی بات ہو گذشتہ معارف میں اس واقعہ کے ذکر کے بعد جو باقی عبارت ہے اس کا تعلق مولنا ظفر احمد صاحب سے نہیں دوسرے لوگوں کی ہے عبارت میں میرے سہو قلم سے ابہام سا ہوگیا ہے جس پر ندامت ہے،

---

[1] اشارۃ الی رؤیا بعض الصالحین،

"جلد ۵۲" ماہ رمضان المبارک و شوال المکرم ۱۳۶۲ھ مطابق ماہ اکتوبر ۱۹۴۳ء "عدد ۴"

مضامین

# شذرات

نئے اور ترقی پسند ادب کے دل پسند نامون سے اردو لٹریچر میں الحاد و بے دینی اور عریانی و فحش نگاری کی جو وبا پھیل رہی ہے اس کی مضرتون کو بلا استثنا ہر سنجیدہ طبقہ محسوس کر رہا ہے اور مختلف حلقون سے اس کے خلاف آوازین بلند ہونے لگی ہین اشخاص کے علاوہ بعض اخبارات و رسائل نے بھی اسکی طرف توجہ کی ہے اس سلسلہ مین سب سے موثر قدم بمبئی کے ایک ادارۂ اصلاح ادب کانفرنس نے اٹھایا ہے اسکے قیام کا مقصد ہی نئے ادب کی اس بے راہ روی کی اصلاح ہے اور اس مین نئے اور پرانے دونون خیال کے سنجیدہ اشخاص برابر کے شریک ہین چنانچہ گذشتہ اگست مین جناب ماہر القادری کی صدارت مین جناب راجہ صاحب محمود آباد نے اس کانفرنس کا افتتاح کیا، اور ڈاکٹر قاضی عبد الحمید صاحب ایم اے پی ایچ ڈی پروفیسر سلیم چشتی لاہور اور دوسرے مختلف طبقہ و خیال کے اشخاص نے تقریرین کیں، ضرورت ہے کہ سنجیدہ اخبارات و رسائل بھی اس اخلاقی اصلاح مین پورا حصہ لین،

---

کہا جاتا ہے کہ نیا ادب زندگی کی حقیقتون کا ترجمان اور ہماری معاشرتی خرابیون کا مصلح ہے اور سیاسی انقلاب مظلومون، کسانون اور مزدورون کی حمایت و ہمدردی اس کا مقصد ہے یہ سب تسلیم ہے لیکن سوال یہ ہے کہ الحاد و بے دینی اور عریانی و فحش نگاری ان میں سے کس چیز کیلئے ضروری ہے اور کیا بغیر اس کے معاشرتی خرابیون کی اصلاح اور مظلومون کیساتھ ہمدردی نہین ہو سکتی ہے؟ پریم چند کے افسانون اور ناولون مین نئے ادب کا کونسا مقصد موجود نہین ہے، بلکہ انھون نے اس زمانہ سے ان مقاصد کی تبلیغ شروع کی جب موجودہ ترقی پسند ادیبون نے ہوش بھی نہ سنبھالا تھا، اور انھون نے جو رخ پیش کر دیا ہے وہان تک پہونچنے کیلئے ہمارے ادیبون کو عرصہ لگے گا، لیکن اس کے باوجود مذہب کے استخفاف اور فحش نگاری کا کیا ذکر، انکی تحریرین متانت کے حدود سے نہین نکلنے پاتی ہین، اور دین و مذہب و سیاست ہر چیز کو اپنے درجہ پر رکھا ہے اگر معاشرتی اصلاح کے سلسلہ مین اخلاقی کمزوریون کا افشا ناگزیر ہو تو اس کو اس طرح گذرنا چاہئے کہ اصل مقصد بھی فوت نہ ہو اور ادب کی پاکیزگی پر دھبہ بھی نہ آنے پائے، یہی ایک اچھے ادیب کا کمال ہے،

---



نئے ادب والون نے جو طریقہ اختیار کیا ہے وہ خود ان کے مقصد کیلئے مفید نہین ہے اس لئے کہ غیر سنجیدہ تحریر کا اثر اچھا اور دیرپا نہین پڑتا، جو ادب سنجیدگی کے دائرہ سے نکلے گا، ممکن ہے زمانہ کے فساد مذاق کی وجہ سے اس کو عارضی فروغ حاصل ہو جائے لیکن بالآخر ختم ہو جائے گا، ہماری پرانی شاعری آخر کیون بدنام اور آج کیون دم توڑ رہی ہے جان صاحب کی ریختی امانت کا واسوخت اپنے دور کے رجحانات کے پورے ترجمان، اور ترقی پسند ادب کی اصطلاح میں ادب زندگی کی مطابقت کے نمونہ بھی ہین لیکن آج ان کا جو درجہ ہے وہ معلوم ہے ایسی حالت مین آج کے غیر سنجیدہ لٹریچر کے ساتھ کل زمانہ جو فیصلہ کرے گا، اس کا اندازہ ہو جانا چاہئے،

---

ترقی پسند اپنے اس ادبی تنزل کو روشن خیالی اور آزادی، اور اس کے خلاف لب کشائی کو تنگ نظری اور رجعت پسندی سے تعبیر کرتے ہین شاید انھون نے اس پر غور نہین کیا کہ آزادی اور روشن خیالی ایک خاص دائرہ کے اندر تو آزادی ہے اس سے باہر نکل کر وحشت بن جاتی ہے، بلکہ بے قید آزادی ہی کا نام وحشت ہے، تہذیب و شائستگی نام ہی پابندیون کا ہے ایک مہذب انسان مختلف قسم کے قیود اور ذمہ داریون کا پابند ہوتا ہے اس کے مقابلہ مین ایک وحشی انسان پر کوئی پابندی نہین، شائستگی کا درجہ جتنا بڑھتا جائیگا، اتنی ہی پابندیان بڑھتی جائین گی، پھر قانوناً اور اخلاقاً آزادی کی اجازت اسی حد تک ہے، جب تک دوسرون کے حقوق پر اس کا اثر نہ پڑے، دوسرون کے حقوق کی سرحد شروع ہوتے ہی آزادی پر پابندی عائد ہو جاتی ہے، اسی پر ہم سب کا عمل ہے بڑے سے بڑا ترقی پسند انقلابی بھی کسی کے عزیز اور بزرگ کی سچی اور واقعی برائی بھی علانیہ بیان کرنے کی جرأت نہین کر سکتا، اور نہ اس کو قانوناً اور اخلاقاً اس کا حق ہے ایسی حالت مین خدا و رسول اور مذہب کا استہزاء جو ایک مسلمان کی سب سے زیادہ عزیز متاع ہے کس آئین سے جائز ہو سکتا ہے؟ کیا مشق آزادی کے لئے صرف مذہب ہی رہ گیا ہے؟

---

نئے ادب کو سب سے زیادہ بدنام ان نام نہاد ترقی پسندون نے کیا ہے جن کو اسکی اصلی غرض و غایت سے کوئی تعلق نہین، اور نہ ان کو اس کی علمی اور سیاسی حیثیت سے واقفیت ہے، بلکہ ان کا مقصد صرف اپنی گرمی بازار ہے انھون نے دیکھا کہ نئے بازار مین اسی جنس کی مانگ ہے، اسلئے پرانے بازار سے اپنی دوکان بڑھا کر نئے بازار مین لگا دی یہی وجہ ہے کہ

نمو ادب کے دعوی کے برعکس ان کے ادب اور ان کی زندگی میں کوئی مطابقت نہیں، زبان پر انقلاب اور مزدوروں کی ہمدردی کا نعرہ ہے، لیکن زندگی سراسر رندانہ، زبان سرمایہ داروں کی دشنام طرازی میں مشغول ہے، لیکن پیٹ ان کے خوان کرم کا ریزہ چین ہے،

در حقیقت مذہب کو موسمی ہواؤں یعنی زمانہ کے تغیر پذیر خیالات کا پابند بنانا بڑی اصولی غلطی ہے، اس لئے کہ یہ ہوائیں تو بدلتی رہتی ہیں، ہر پچیس تیس سال کے بعد خیالات اور نقطۂ نظر بدل جاتے ہیں، مذہب کہاں تک ان کے ساتھ قالب بدلتا رہے گا، ادھر چند ہی برسوں کے اندر خیالات میں کتنے مد و جزر ہو چکے ہیں، ایک زمانہ میں مذہب کو مغربی خیالات اور جدید علوم و فنون کے مطابق ڈھالنا بڑے فخر کی بات اور ترقی پسندی کی معراج سمجھی جاتی تھی، لیکن آج اسکی حیثیت ایک مضحکہ انگیز کوشش سے زیادہ نہیں ہے، اس دور کے ایک قریب العہد بزرگ جو علی گڈھ کالج کے پرانے ممتاز تعلیم یافتہ اور صوبہ کے ایک اعلیٰ عہدہ پر ممتاز ہیں، اپنے عنایت نامہ میں تحریر فرماتے ہیں:

"میں علامہ اور سر سید احمد خان وغیرہ سے خفا ہوں کہ انھوں نے جزم و ایمان میں تذبذب پیدا کر دیا، بلا سے تھوڑے سے مسلمان بد دین ہو جاتے، اسلام تو بدنہ ہوتا، اس لٹریچر نے سخت نقصان پہنچایا، اب پچاس برس کے بعد مغرب جو کچھ بول رہا ہے، وہ عین اسلام ہے، مگر اس وقت کی مغربی ذہنیت پر اسلام کو منطبق کرنے کی فکر میں نہ معلوم کہاں سے کہاں اسلام کو پہونچا دیا، اور ان کے اعقاب اب اور خطرۂ ایمان بن گئے ہیں، والحمد للہ نحن براء من ذالک،"

دیکھئے کہ ایک تہائی صدی کے اندر نقطۂ نظر اور خیالات میں کتنا عظیم فرق ہو گیا، آج سے تیس سال پیشتر جو لٹریچر ترقی پسند سمجھا جاتا تھا، آج اسی دور کے ایک تعلیم یافتہ کی زبان سے اسکی یہ قیمت قرار پاتی ہے، مذاق اور خیالات کے تغیر کے ساتھ آج کے ناقدین مذہب اور متکلمین کے افکار و خیالات کے ساتھ کل یہی واقعہ پیش آنے والا ہے، اس لئے ضرورت اس کی ہے، کہ مذہب کے استہزار، اس پر تنقید یا اس کو زمانہ کے مذاق کے مطابق ڈھالنے کے بجائے لوگوں کے خیالات کو اس کی صداقتوں کے مطابق بنانے اور ان میں مذہب کا صحیح ذوق اور وجدان پیدا کرنے کی کوشش کی جائے،



# مقالات

## تاریخ افکار و سیاسیات اسلامی

از شاہ معین الدین احمد ندوی

(۳)

اموی اور عباسی خلفاء کے عیش و تنعم اور شکوہ و تجمل سے انکار نہیں، بلکہ مصنف نے اس کے جو واقعات لکھے ہیں وہ ان کے تعیش کی ناتمام تصویر اور اس کی صرف ایک جھلک ہے لیکن اس بحث میں انھوں نے چند بنیادی غلطیاں کی ہیں، ایک یہ کہ انھوں نے قانون شریعت اور زہد میں کوئی فرق نہیں کیا، اور اسلامی زندگی کو زہد کے دائرہ میں محدود کر کے، ہر مسلمان کے لئے اس کو ضروری تصور کر لیا، جو صحیح نہیں ہے، قانون شریعت اور زہد میں بڑا فرق ہے، شریعت نے صرف محرمات و منہیات سے روکا ہے، جائز اور مباح چیزوں کے استعمال میں کوئی پابندی نہیں ہے، اور ایک مسلمان ان سے متمتع ہو سکتا ہے، اور مباحات کا دائرہ اتنا وسیع ہے، کہ اس کے اندر رہتے ہوئے پورے عیش و تنعم کی زندگی بسر کیجا سکتی ہے، مثلاً مرد کے لئے ریشمی کپڑے کا استعمال حرام ہے، لیکن جامدانی اور کشمیر کی شال کے استعمال میں کوئی شرعی قباحت نہیں ہے، زیورات کے علاوہ دوسرے سامانوں میں سونے اور چاندی کا استعمال حرام ہے لیکن چینی اور کٹ گلاس کے ظروف، لکڑی کے نفیس فرنیچر، فرش و فروش، قالین اور پردوں اور اس قبیل کے دوسرے زینت و آرائش کے سامانوں کے استعمال کی اجازت ہے، ماکولات میں صرف چند چیزیں، فقہ و حدیث کی کتابوں میں جن کی تصریح ہے، حرام ہیں، ان کے علاوہ سارے الوان نعمت حلال ہیں،

مشروبات مین شراب حرام ہے، لیکن عرق گلاب، کیوڑہ، بید مشک، مشک زعفران اور عنبر کے استعمال مین کوئی حرج نہین، یہ صرف چند مثالین ہین، ورنہ زندگی کے ہر شعبہ مین مباحات کی اتنی کثرت ہی، کہ تعیش کے نقطۂ نظر سے بھی ایک سلیم الفطرت انسان کے لئے اس دائرہ سے نکلنے کی ضرورت نہین،

آج کل بلکہ شاید مدتون سے ایک عام غلط فہمی یہ پھیلی ہوئی ہے، کہ ہر تکلف اور عیش و تنعم کی زندگی کو غیر اسلامی سمجھا جاتا ہی، جو سراسر غلط ہے، مباحات کے دائرہ کے اندر کوئی تکلف و تعیش غیر اسلامی نہین ہی، بلکہ خدا کی نعمتون سے تمتع ہونا تحدیث نعمت ہے، جس کا خدا نے حکم دیا ہے، خدا نے سچے مسلمانون سے دنیا و آخرت دونون کی بھلائی اور فوز و فلاح کا وعدہ فرمایا ہے، آخرت کی بھلائی غفران الٰہی، نعیم جنت، اور دوسرے مراتب و درجات ہین اور دنیا کی بھلائی مال و دولت، عزت و جاہ اور عیش و تنعم کی زندگی ہے،

اسلام اور دوسرے مذاہب مین یہ بڑا فرق ہی کہ دوسرے مذاہب نے رہبانیت کو مذہب اور دنیا کے عیش و آرام کو اسکے خلاف قرار دیا، اور اسلام نے خدا کی پیدا کردہ جائز نعمتون سے تمتع ہونے کی نہ صرف اجازت بلکہ اس کا حکم دیا ہے،

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا مَا اَحَلَّ اللّٰہُ لَکُمْ،
(مائدہ - ۱۱)

اے ایمان والو! جو چیزین تمھارے واسطے حلال کی گئی ہین، ان مین سے لذیذ اور پاکیزہ چیزون کو حرام مت کرو،

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِیْنَۃَ اللّٰہِ الَّتِیْ اَخْرَجَ لِعِبَادِہٖ وَالطَّیِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ،
(اعراف - ۴)

آپ فرمائے کہ اللہ تعالیٰ کے پیدا کئے ہوئے کپڑون کو جو اس نے اپنے بندون کے واسطے بنایا ہے، اور کھانے پینے کی پاکیزہ چیزون کو کس شخص نے حرام کیا ہی،

یہی نہین بلکہ خدا نے جن لوگون کو فراغت اور استطاعت عطا فرمائی ہے، اس کے اثرات کو وہ



ان کی زندگی مین دیکھنا پسند کرتا ہی، حدیث مین ہی،

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ اَنْ یَرٰی اَثَرَ نِعْمَتِہٖ عَلٰی عَبْدِہٖ،

اللہ تعالیٰ اپنے بندون پر اپنی نعمتون کا اثر دیکھنا پسند کرتا ہی،

اس لئے خدا کی نعمتون سے متمتع نہ ہونا، کفران نعمت اور خدا کے احکام کی خلاف ورزی ہے، البتہ دنیا کی عیش و تنعم اور مادی ساز و سامان مسلمانون کا مقصود زندگی نہین ہی، کہ وہ اس مین ڈوب کر اصل مقصود اور خدا کے احکام و فرائض کو بھلا دین، بلکہ ان چیزون کو تحدیث نعمت کے لئے اختیار کرین، تاکہ ان کا دل خدا کے احسان و شکر سے لبریز رہے، ایک مسلمان کا مقصود صرف رضائے الٰہی ہی، اگر یہ مقصود نگاہون سے اوجھل نہین ہوتا، اور عیش و تنعم خدا کی یاد اور اس کے احکام و فرائض کی تعمیل سے غافل نہین کرتا، اور دل کا تعلق خدا ہی سے قائم رہتا ہے، تو ایسا تعیش نہ قابلِ ملامت ہی اور نہ خلافِ تقویٰ، اور انسان مادی ساز و سامان مین گھر کر بھی تقوی پر قائم رہ سکتا ہی،

چیست دنیا از خدا غافل بدن نے قماش و نقرہ و فرزند و زن،

خود صحابۂ کرام، تابعین عظام اور ائمۂ اسلام مین بھی اسکی بعض مثالین ملتی ہین،

دوسری غلطی یہ ہی کہ اموی اور عباسی سلاطین کی زندگیوں پر نظر ڈالتے وقت مصنف کی نگاہ خلفائے راشدین کے مقدس اسوہ پر رہی ہے، درحقیقت ان دونون کی زندگیون کا موازنہ ہی صحیح نہین، خلفائے راشدین جانشینِ رسول تھے، اور اموی و عباسی سلاطین خالص دنیاوی بادشاہ، ع

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

ان سلاطین کو کوئی بھی زاہد و متقی کا درجہ نہین دیتا، اور نہ ان کی زندگیون کو قابل تقلید نمونہ سمجھتا ہی، مسلمانون کے لئے اسوۂ حسنہ تو خلفائے راشدین اور صحابۂ کرام ہی کی پاک زندگیان ہین، اور اسلام کی اصلی روح زہد و سادگی ہی مین مضمر ہے، اور ان کا درجہ یقیناً مباحاتِ شرعیہ کے حدود سے بلند ہے

اس لئے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اکثر صحابۂ کرام اور خواصِ اُمت کی زندگیاں زہد و سادگی کا نمونہ تھیں، لیکن اس کا تحمل ہر شخص نہیں ہو سکتا تھا، اس لئے اس کے اختیار کرنے پر ہر مسلمان کو مجبور نہیں کیا گیا، بلکہ اوس کو جواز کے دائرہ کے اندر دنیاوی نعمتوں سے متمتع ہونے کی اجازت دیگئی،

یہ امر بھی قابلِ لحاظ ہے کہ گو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام کی زندگیاں زہد و سادگی کا نمونہ تھیں، آپ طبعی طور پر تکلف کو ناپسند فرماتے تھے، اور زندگی کے ہر شعبہ مین قناعت و سادگی ہی پسند خاطر تھی، لیکن کبھی کبھی نفیس کپڑے بھی زیب تن فرمائے ہین، گو شکم سیر ہو کر کھانے کی نوبت کم آتی تھی، لیکن کبھی کبھی لذیذ غذائین بھی تناول فرمائی ہین، مزاج مبارک مین لطافت اور نفاست اتنی غالب تھی، کہ ہم آج اسکا تصور بھی مشکل کر سکتے ہین، گو بیشتر صحابۂ کرام کی زندگیاں زہد و سادگی کا نمونہ تھین، لیکن بعض مثالین دنیاوی عیش و تنعم کی بھی ملتی ہین، تاکہ مسلمانون پر زندگی کا دائرہ تنگ نہ ہونے پائے، حضرت عثمان رضؓ خوش خوراک و خوش لباس تھے، لذیذ غذائین کھاتے تھے، نفیس کپڑے پہنتے تھے، کبھی کبھی آٹھ آٹھ سو روپیہ کی ایک چادر استعمال کرتے تھے، محل میں رہتے تھے، گھر مین بہ کثرت لونڈی غلام تھے[1] مشہور صحابی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم خاص حضرت انس بن مالکؓ بڑے نفیس مزاج تھے، عمدہ کھانا کھاتے تھے، نفیس لباس پہنتے تھے، خوشبویات کا بڑا ذوق تھا، ایک پر تکلف باغ لگایا تھا، اس مین ایک پھول ایسا تھا، جس سے مشک کی خوشبو آتی تھی، سکونت کے لئے بصرہ سے باہر پُر فضا مقام پر ایک محل بنوایا تھا، (مسند احمد بن حنبل ج ۳) حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے عالی شان محلات تھے، (ابن سعد تذکرہ سعد بن ابی وقاص) امام دار الہجرۃ حضرت مالک بن انسؒ نفیس مزاج لطیف الطبع اور خوش لباس تھے، پہننے کے لئے دور دور سے نفیس اور قیمتی کپڑے منگواتے تھے، عدن، مصر اور خراسان کے مشہور کپڑے اکثر استعمال مین رہتے تھے، کتان بھی استعمال فرماتے تھے بعض چادرون کی قیمت پانچ پانچ سو تک ہوتی تھی، عطر کا بڑا شوق تھا، عمدہ قسم کے عطریات استعمال فرماتے تھے، مجلس درس

---

[1] کنز العمال، طبقات ابن سعد، اور طبقات کی دوسری کتابون مین اسکی تفصیل موجود ہے،



مین عود کی انگیٹھیان جلتی تھین، پورا گھر فرش و فروش اور گدون سے آراستہ تھا[1] حضرت امام ابو حنیفہؒ بڑے خوش لباس اور جامہ زیب تھے، عطر کا استعمال اس کثرت سے کرتے تھے کہ ریح الطیب یعنی خوشبودار ان کا لقب ہو گیا تھا، (تاریخ خطیب تذکرہ امام ابو حنیفہ جلد ۱۳ ص ۳۳۱) کبھی کبھی تاقم اور سنجاف کے جبے اور چار چار سو تک کی چادر استعمال فرماتے تھے (ایضاً)

یہ صرف چند صحابۂ کرام اور ائمہ تابعین کی مثالین ہین، جن کے تقوی مین کسی کو کلام نہین ہو سکتا، ان کے علاوہ ائمۂ اسلام مین اس سے بھی زیادہ تعیش و تکلف کی مثالین ملتی ہین، اس لئے ہر تکلف و تعیش کو غیر اسلامی نہین کہا جا سکتا، بلکہ وہ تقوی کے بھی خلاف نہین ہے، اس لئے اموی خلفاء ہون یا عباسی، ان کی معاشرت پر نظر ڈالتے وقت، زہد اور شریعت کے جائز کردہ حدود کے فرق کا لحاظ رکھنا ضروری ہے، جسے مصنف نے نظرانداز کر دیا ہے، اس لئے نفس تعیش و تکلف کی زندگی کو غیر اسلامی نہیں کہا جا سکتا، البتہ اموی اور عباسی خلفاً کے تعیش پر اس پہلو سے اعتراض ہو سکتا ہے کہ انھون نے بیت المال کے روپیہ سے جو عام مسلمانون کا حق تھا، عیش پرستی کی، ورنہ اگر اپنی ذاتی ملک سے ایسا کرتے، تو اس کو قابل اعتراض نہین قرار دیا جا سکتا تھا اور اس پہلو سے یقیناً وہ سب کے سب مجرم تھے،

اس سے بھی انکار نہین کہ بعض خلفاء کا تعیش جواز کے حدود سے آگے نکل گیا تھا، اور وہ علانیہ منہیات شرعیہ کے مرتکب ہوئے، اور اس سلسلہ مین مصنف نے جو صحیح واقعات نقل کئے ہین، وہ تسلیم ہین، ایسے خلفاء یقیناً قابلِ ملامت اور بڑے مجرم تھے، لیکن ایک دو مثالون سے عام حکم لگا دینا صحیح نہین ہے، خصوصاً کسی کی جانب منہیات شرعیہ کے انتساب مین تو بڑی احتیاط کی ضرورت ہے، مثلاً ایک مقام پر لائق مصنف نے بڑی غیر ذمہ داری سے یہ لکھدیا ہے کہ بنی اُمیہ مین فسق و فجور کا دروازہ یزید کے عہد ہی سے کھل گیا تھا۔ دوسرے اموی خلفاً کا سوال تو الگ رہا، خود یزید کے متعلق فسق و فجور کا تاریخی ثبوت ملنا آسان نہین ہے، افسانون کا اعتبار نہین، مزید بحث آیندہ واقعات کے سلسلہ مین آئے گی،

---

[1] الدیباج المذہب ابن فرحون تزئین الممالک سیوطی، اور مناقب امام مالک زوادی مین اسکی تفصیلات موجود ہین

تیسری فروگذاشت یہ ہے کہ مصنف کو جو رطب و یابس، واقعات مل گئے ہیں، ان کو بغیر کسی تحقیق و تنقید کے بلا تکلف نقل کر دیا ہے، حالانکہ کسی چھپی ہوئی کتاب مین کسی واقعہ کا مل جانا، اس کی صحت کا ثبوت نہیں ہے، تاریخ تو صحیح اور غلط ہر قسم کے واقعات کا مجموعہ ہوتی ہے، یہ ایک صاحب نظر ناقد کا کام ہے کہ وہ اس انبار مین سے صحیح واقعات کو چن لے، لیکن اس کے لئے بڑی وسعت نظر، اور دیدہ وری کی ضرورت ہے، تنہا مصنف ہونا کافی نہیں ہے،

نہ ہر کہ چہرہ برافروخت دلبری داند ‍ ‍ ‍ نہ ہر کہ آئینہ سازد سکندری داند

ہزار نکتۂ باریک تر ز مو اینجا است ‍ ‍ ‍ نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

تاریخون مین تو ایسی روایتین بھی مل جائین گی جن سے نعوذ باللہ اکابر صحابہ بلکہ خاکم بدہن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک پر بھی حرف آجاتا ہے، غیر قومین مسلمانون اور اسلام کو بدنام کرنے کے لئے جو واقعات مشہور کرتی ہین، ان مین سے اکثر اسی قسم کی روایات پر مبنی ہوتے ہین، بنی امیہ اور بنی عباس کی تاریخ مین تو خاص طور سے بڑی احتیاط کی ضرورت ہے، مسئلۂ خلافت کے اختلاف، بنی امیہ اور بنی ہاشم اور پھر علوی اور بنی عباس وغیرہ کی باہمی رقابتون نے ایک دوسرے کو بدنام کرنے کے لئے طرح طرح کے افسانے مشہور کر دیئے تھے، جو غیر محتاط راویون کی وجہ سے تاریخون مین داخل ہو گئے، جن کا اندازہ ایک مبصر آسانی کے ساتھ کر سکتا ہے، خود طبری مین جو سب سے قدیم ماخذ ہے، بہت سے جھوٹے افسانے موجود ہین، ایسی حالت مین اس عہد کی سیاست اور تاریخ اسلام کے تمام پہلوؤن پر نظر ڈالے ہوئے بغیر ان پر پیچ اور پر خار وادیون سے بچ کر نکلنا بہت مشکل ہے، اسی لئے مصنف سے جابجا لغزش ہوئی ہے، اور انھون نے اپنی ناواقفیت کی بنا پر بیسیون جھوٹے واقعات خلفاء کی جانب منسوب کر دیئے ہین، جو باتین حد جواز کے اندر ہین، ان کے انتساب تک تو غنیمت تھا، مصنف نے کمال یہ کیا ہے کہ بغیر تحقیق کے صریح محرمات کے ارتکاب کے جھوٹے الزامات تک لگا دیئے ہین، مثلاً بنی امیہ کی شراب نوشی کے سلسلہ میں لکھتے ہین،



"شراب کا استعمال اموی دربار مین عام ہو چلا تھا، عبد الملک ایک ماہ مین ایک دن خوب دل کھول کر شراب پیتا تھا، ...... یزید ثانی اور ولید ثانی تو ہر وقت نشہ مین مست رہتے تھے، خاندان امویہ مین عمر بن عبد العزیز کو چھوڑ کر تین متقی عمر ثانی ہشام، اور یزید ثالث شراب سے محترز رہے (ص ۱۱۰)"

اموی خلفاء مین صرف ولید ثانی شراب پیتا تھا، ممکن ہے، یزید اول کے متعلق بھی کوئی روایت مل جائے، باقی خلفاء کے متعلق شراب نوشی کا بیان سراسر جھوٹ ہے، ان دونون کے علاوہ اور کسی خلیفہ کی شراب نوشی کا ذکر کسی مستند تاریخ مین نہیں مل سکتا، کاش مصنف نے اتنا بڑا الزام رکھتے وقت کتاب کا حوالہ بھی دیدیا ہوتا، مصنف کو معلوم نہیں کہ انھون نے اس عام حکم سے سلیمان بن عبد الملک کو بھی جو صالح خلیفہ اور حضرت عمر بن عبد العزیز کا تربیت یافتہ تھا، شراب نوش بنا دیا، عبد الملک نے سیاست مین جو کچھ بھی کیا ہو لیکن اس پر شراب نوشی اور اس قبیل کے دوسرے بہتان باندھنا اس سے ناواقفیت کا ثبوت ہے، وہ بڑا عالم تھا، امام زہری اوس کے خاص ہمدم اور ہم نشین تھے، اور بعض مسائل مین اس کے عمل سے استدلال کرتے تھے،

غالباً مصنف کو شراب کے لفظ سے دھوکا ہوا، انھون نے عربی کے لفظ "شراب" کو اردو کی شراب سمجھ لی، عربی مین ہر پینے والی چیز کو خواہ وہ شربت ہو، عرق ہو، یا کوئی اور سیال چیز ہو شراب کہتے ہین، شراب کے لئے "خمر" کا لفظ ہے، انھون نے کہیں شراب کا لفظ دیکھکر اردو کی شراب سمجھ لی، البتہ خلفاء نبیذ پیتے تھے، جو بعض عراقی علماء کے نزدیک جائز تھی، آگے چل کر خلیفہ ہارون رشید کے متعلق ارشاد ہوتا ہے،

"اس کے محاسن بہت زیادہ ہین، اسی کے ساتھ لہو و لعب اور لذات ممنوعہ اور گانا سننا بھی کچھ کم نہین (ص ۹۰)"

مصنف نے اس بیان مین ذہبی کا حوالہ دیا ہے، لیکن ان کی کسی کتاب کی تصریح نہین کی ہے،

ہارون رشید کی دینداری پر بحث کرنے کا یہ موقع نہیں، ہم صرف ذہبی ہی کی ایک کتاب "دول الاسلام" سے رشید کے متعلق ان کا بیان نقل کئے دیتے ہیں، وہ لکھتے ہیں :-

"رشید بڑا نیاض، ممدوح، غازی، مجاہد، شجاع، بہادر، خوبصورت، کشیدہ قامت اور تومند تھا، جب سے وہ تخت خلافت پر بیٹھا، شبانہ یوم میں سو رکعتیں نفل پڑھتا تھا، اور اپنے ذاتی مال سے ایک ہزار درہم روزانہ خیرات کرتا تھا، علوم میں اس کو معرفت و بصیرت حاصل تھی، (دول الاسلام ذہبی ج اول ص ۹۴)

رشید کے متعلق ذہبی کا اصل بیان یہ ہے، ع

ببین تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

رشید کی دینداری پر تو تمام مورخین کا اتفاق ہے، یہ صحیح ہو کہ جائز حدود کے اندر اس نے ایسی عیش کی زندگی بسر کی، کہ اس کا دور افسانہ بن گیا، البتہ گا ناضرور سنتا تھا، آگے چل کر لکھتے ہیں :-

"ان مجالس عیش و نشاط کی حد یہان تک پہونچ گئی تھی، کہ وزرا، اور امراء کی مجلس مین بعض علماء تک شریک ہوتے تھے، اور اس کے ثبوت مین البرامکہ سے یہ واقعہ نقل کیا ہے' عبد الملک ہاشمی ایک زاہد و متقی عالم تھے، اور وزراء تک اُن سے ڈرتے تھے، ایک مرتبہ جعفر برمکی کی مجلس رندانہ مین پہونچ گئے، کسی کو روکنے کی مجال نہ ہوئی، جعفر بھی کچھ سہم گیا، مولوی صاحب نے کہا، اشرکوا فیما انتم فیہ واصنعوا بما صنعتم نفکم جعفر نے کہا، نحو، پھر جبۂ شریعت اور دستار فضیلت اتار کر حریر کے کپڑے پہنے، اور تین گلاس نبیذ کے چڑھا گئے" (ص ۹۰)

یہ واقعہ کئی وجوہ سے غیر معتبر ہے، اولاً اس کا راوی اسحٰق بن ابراہیم موصلی ہے، جو اگرچہ صاحب علم تھا لیکن عباسی دربار کا گویا تھا، اور اس قسم کی روایات مین ایک گوئیے کا بیان جس حد تک معتبر ہو سکتا ہو، وہ ظاہر ہے، دوسرے سب سے پہلے یہ واقعہ اغانی مین ملتا ہو (اغانی ج ۵ ص ۱۱۲) اغانی محاضرات کی کتاب ہو، جس کے بیان کی کوئی تاریخی حیثیت نہین، پھر اس کا مصنف شیعہ ہو، اسی وجہ کے تمام مورخین نے نقل کیا ہو، تیسرے عبد الملک بن صالح ہاشمی کوئی عالم دین نہ تھے، بلکہ ایک ہاشمی امیر تھے، عالم دین کی حیثیت سے ان کا کسی کتاب مین ذکر نہین ہے، خطیب تک نے جو معمولی سے معمولی علماء کے حالات التزام سے لکھتے ہین، اپنی تاریخ مین ان کا کوئی ذکر نہین کیا ہو، اس سے ان کا علمی درجہ ظاہر ہے، محض مولوی عبد الرزاق صاحب کے لطف بیان نے ان کے سر پر دستار فضیلت باندھ دی ہو، اس لئے اگر بالفرض یہ واقعہ صحیح بھی ہو تو بھی ایک عالم دین کا نہین بلکہ ایک ہاشمی امیر کا ہو،



اس کے بعد اموی خلفاء کے مظالم کی داستان شروع ہوتی ہے، اس کا آغاز عبد الملک سے ہوتا ہے، فرماتے ہین :-

"اسی غیر فطری قیصری ماحول نے عبد الملک جیسے خدا ترس انسان کو حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ کی شہادت پر آمادہ کر دیا، (ص ۸۳)

اس کے بعد عبد الملک کی خلافت سے قبل اس کی زبان سے حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ کی فضیلت کا اعتراف نقل کیا ہو، ہم نے اوپر لکھی ہے کہ حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ کی فضیلت اور خلافت کے لئے ان کی اہلیت مسلّم ہو، لیکن ان کی اور عبد الملک کی جنگ خالص سیاسی جنگ تھی، حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ خود اس کے مقابلہ مین خلافت کے مدعی تھے، ایسی حالت مین عبد الملک کے لئے دو ہی صورتین تھین، یا عبد اللہ بن زبیرؓ کی خلافت تسلیم کرکے خود خلافت سے دست بردار ہو جاتا یا مقابلہ کرتا، عبد الملک ایک دنیادی بادشاہ تھا، اس سے عبد اللہ بن زبیرؓ کے مقابلہ مین خلافت سے دستبرداری کی توقع رکھنا عبث ہے، اس لئے دوسری صورت ناگزیر تھی، جس مین اس کو کامیابی ہوئی، اور ابن زبیرؓ کو ناکامی، یہ بھی واضح رہے، کہ عبد الملک آخر آخر تک جب کہ عبد اللہ بن زبیرؓ کے تمام ساتھیون حتی کہ ان کی اولاد تک نے ان کا ساتھ

چھوڑ دیا تھا، خلافت کے علاوہ انھیں ہر طرح کی مراعات دینے اور انکے اور تمام مطالبات پورے کرنے کے لئے آمادہ تھا، لیکن عبد اللہ بن زبیرؓ کی حمیت اور غیرت نے اسے قبول کرنا گوارا نہ کیا، (ابن اثیر ج ۴ ص ۱۳۶) ایسی صورت مین اس کا جرم اور بھی ہلکا ہو جاتا ہے، دوسرا الزام یہ ہے کہ

"جب عبد الملک کو خلافت کی خبر پہونچی، تو قرآن شریف اس کے ہاتھ میں تھا، اوس نے یہ کہہ کر فوراً بند کر دیا، کہ یہ تم سے آخری ملاقات ہے، (ص ۸۳)

یہ روایت صحیح ہے، لیکن مصنف نے آخری فقرہ کا مطلب غلط سمجھا ہے، واقعہ یہ ہے کہ عبد الملک بڑا عالم اور خلافت سے پہلے بڑا دیندار تھا، ہر وقت نماز اور تلاوت مین مشغول رہتا تھا، لیکن خلافت کی ذمہ داری کے بعد اسکی یہ مشغولیت قائم نہین رہ سکتی تھی، اس لئے اس نے حسرت و افسوس کے طور پر یہ کلمات کہے تھے، نہ کہ قرآن سے قطع تعلق کے لئے، اس کے بعد یزید اور عبد الملک کے دور کے دوسرے مظالم شمار کرائے ہین، یزیدی دور کے مظالم اور اس کی بداعمالیاں مسلّم ہین، ان سے کسی کو انکار نہین، لیکن عبد الملک کے متعلق بعض واقعات بالکل غلط ہین، بعض کو مصنف کی رنگ آمیزی نے بدنما بنا دیا ہے، بعض کی صحت سے انکار نہین، غلط اور رنگ آمیزی کی مثالین یہ ہین،

"عبد الملک اور اس کے گورنر حجاج بن یوسف تمام اسلامی دنیا پر ایک مستقل عذاب کی شکل مین نمودار ہوئے، ...... حجاج نے اپنے زمانۂ حیات مین ایک لاکھ بیس ہزار صحابۂ کرام اور ائمہ عظام کو شہید کرایا، اوس نے ایک شخص کے ذریعہ خفیہ طور سے حضرت ابن عمرؓ کو زہر مین بجھے ہوئے نیزہ سے مہلک زخم پہونچایا، جس سے آپ جانبر نہ ہو سکے، ...... ۷۴ھ مین مدینہ منورہ کی طرف رخ کیا، اور وہان جو صحابۂ کبار باقی رہ گئے تھے، ان پر طرح طرح کے مظالم کئے، اور ہر طرح ان کی ذلت کی، حضرت انسؓ حضرت جابرؓ بن عبد اللہ اور حضرت سہلؓ ابن ساعدی وغیرہ کی گردنوں پر اور ہاتھوں میں اس نے مہرین تک لگوائین، ...... عبد الملک



حجاج بن یوسف کو اپنی خلافت کے اندر وہ تمام اختیارات سپرد کرتا ہے، جن کی وجہ سے اس نے وہ مظالم مسلمانون پر توڑے، بلکہ مرتے وقت حجاج بن یوسف کی تمام خون آشام حرکتون کی ہمت افزائی کرتے ہوئے اپنے بیٹے ولید کو وصیت کرتا ہے، اے ولید خلافت کے معاملہ مین خدا سے ڈر کر کام کرنا، اور حجاج کا زیادہ خیال رکھنا، اور اس کی ہمیشہ تعظیم کرنا، کیونکہ اسی نے تجھے خلافت کو پہنچایا ہے، اے ولید وہ تیرا بازو اور تیری تلوار ہے، اس کے متعلق کسی کی شکایت نہ سننا، دیکھ تجھے اس کی زیادہ ضرورت ہے، اور اُسے تیری پروا کم ہے، جب مین مرجاؤن تو لوگون سے بیعت لینا، اور جو انکار کرے اسکی گردن مارنا"

(ص ۸۷، ۸۸، ۸۹)

مصنف کا یہ تضاد بیان بھی نہایت پر لطف ہے کہ ایک طرف تو وہ، جیسا کہ ابھی اوپر انکی عبارت مین گذر چکا ہے، عبد الملک کو "خدا ترس" بھی مانتے ہین، اور دوسری طرف شرابی، جفاکار اور عذاب الٰہی بھی، ممکن ہے ان کے ذہن مین ان متضاد اوصاف کے اجتماع کی کوئی شکل ہو، بہرحال یہ تو ان کے تحریری لطائف مین سے ایک لطیفہ ہے،

حجاج بن یوسف بلا شبہہ بڑا ظالم اور جفاکار تھا، لیکن عبد الملک کو اس زمرہ مین شامل کرنا، نہ صرف ناانصافی بلکہ تاریخ اسلام سے ناواقفیت کا ثبوت ہے، عبد الملک کے زمانہ مین جو زیادتیان ہوئین، وہ بیشتر انھی لوگون کے ساتھ جو اسکی حکومت کو الٹنا چاہتے تھے، اور جن مین اکثرون کے اغراض صرف سیاسی تھے، اور جن کے پیش نظر کوئی مذہبی و اصلاحی مقصد نہ تھا، البتہ حجاج کی مخالفت بعض صحابہ اور ائمہ نے بھی کی، لیکن اس کا تعلق عبد الملک کی ذات یا اس کی حکومت سے نہین، بلکہ حجاج کے مظالم سے تھا، یہ بھی صحیح نہین کہ عبد الملک نے حجاج کو بالکل آزاد چھوڑ دیا تھا، خالص سیاسی جماعتون کے ساتھ بھی وہ اعتدال سے زیادہ سختی کرنا پسند نہین کرتا تھا، ایسی حالت مین صحابہ اور ائمہ پر ظلم و زیادتی کا

کیا ذکر، جب بھی حجاج کی جانب سے اس قسم کی بے عنوانی کا ظہور ہوا، عبدالملک نے نہایت سختی کیساتھ بازپرس کی، ابن اشعث[1] کی بغاوت مین جو ابتدا مین حجاج کے خلاف ہوئی تھی، پھر وہ ایک عام سیاسی بغاوت بن گئی، اور حجاج کی مخالفت کی وجہ سے بعض ائمہ و تابعین نے بھی ابن اشعث کا ساتھ دیا تھا لیکن آخرمین باغی جماعت کو شکست ہوئی، اور شکست خوردہ آدمیون کے ساتھ حجاج نے جو زیادتیان کین، اور اپنے آدمیون کی حوصلہ افزائی کے لئے ان مین مسرفانہ روپیہ تقسیم کیا، عبدالملک کو اس کی اطلاع ہوئی، تواس نے یہ تہدیدی تحریر لکھی:

"مجھکو خونریزی مین تمھاری زیادتی اور مال مین اسراف کی خبر ملی ہے، ان مین سے کوئی بات بھی برداشت نہیں کرسکتا، اس لئے قتل خطا مین تم سے دیت اور قتل عمد مین قصاص لیا جائے گا، اور جو مال بیجا تم نے صرف کیا ہے، اس کو واپس کرنا ہوگا، مین خدا کا امین ہون، میرے نزدیک حق کا روکنا، اور ناحق دینا دونون برابر ہین، اگر اس سے تمھارا یہ مقصد تھا کہ لوگ میرے حامی ہوجائین، تو اس سے تم نے مجھکو کوئی فائدہ نہین پہونچایا، اور اگر یہ مقصد تھا، کہ تمھارے حامی بن جائین، تو اس سے تم کو کوئی فائدہ نہین پہنچا، تم کو میری جانب سے سختی اور نرمی دونون برداشت کرنے کے لئے تیار رہنا چاہئے، اطاعت ہی مین تمھاری بھلائی ہے، اور سرکشی مین خرابی ہے، اپنی غلطیون کے تحمل کے علاوہ اور چیزون مین میری جانب سے حسن ظن رکھ سکتے ہو، جب خدا کسی قوم کے مقابلہ مین کامیاب

---

[1] عبدالرحمن بن اشعث ایک بہادر اموی امیر تھا، حجاج اس کے ساتھ عناد رکھتا تھا، اس لئے اوس نے اس کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا، حجاج کے مظالم سے اس عہد کے بہت سے اکابر بھی تنگ تھے، اس لئے بہت سے قراء، تابعین اور ائمہ بھی ابن اشعث کے ساتھ ہوگئے تھے، بعد مین اس بغاوت نے ایک عام سیاسی انقلاب کی شکل اختیار کرلی، کئی سال کی مسلسل لڑائیون کے بعد بڑی مشکلون سے فرو ہوئی،



کرے، تو صلح جو لوگون اور قیدیون کو ہرگز قتل نہ کرنا چاہئے"۔

(مروج الذہب مسعودی جلد ۲ صفحہ ۵۸، صفحہ ۵۹)

حجاج نے اس بازپرس کا جواب دیا، اور وعدہ کیا، کہ جو کچھ ہوچکا، وہ ہوچکا، آیندہ امیرالمومنین میرے لئے کوئی حد مقرر کردین، جس سے مین تجاوز نہ کرون، اس لئے عبدالملک نے اس مرتبہ درگذر سے کام لیا،

ایک ہزار بیس ہزار صحابۂ کرام اور ائمۂ عظام کو شہید کرانے کا الزام ایسا صریح مبالغہ ہے کہ اس کا اندازہ ہر عقل سلیم رکھنے والا کرسکتا ہے، خود مصنف بھی ایک لاکھ بیس ہزار مین سے صرف ایک مثال حضرت ابن عمرؓ کی پیش کرسکے، آپ کے سبب وفات کے بارے مین اتنا مسلم ہے، کہ حج کے اژدحام مین کسی شخص کے نیزہ کی انی سے خراش پہونچی تھی، جس کے صدمہ سے آپ جانبر نہ ہوسکے، اور عام خیال یہی ہے، کہ یہ اتفاقی واقعہ نہ تھا، بلکہ حجاج کے اشارہ سے زخم پہونچایا گیا تھا، لیکن یہ قطعی فیصلہ نہین ہے، بہرحال یہ تو صرف ایک مثال ہوئی، عبدالملک کے زمانہ مین تو ہر درجہ کے صحابہ اور ائمہ کی مجموعی تعداد ملاکر بھی شاید ہزار دو ہزار سے زیادہ نہ رہی ہوگی، اور اکابر صحابہ اور ائمہ تو انگلیون پر گنے جاسکتے تھے، ایسی حالت مین حجاج نے ایک لاکھ بیس ہزار شہید کہان سے کرائے، البتہ بعض صحابہ اور ائمہ کیساتھ گستاخی اور ان کی تحقیر و تذلیل کے واقعات ضرور ملتے ہین، لیکن ان مین بھی عبدالملک کو جن کا علم ہوسکا، اس مین اس نے حجاج کی پوری تنبیہ کی، مثلاً اوس نے حضرت انس بن مالکؓ اور بعض دوسرے صحابہ کے ہاتھون پر مہر لگوائی، لیکن جب حضرت انس بن مالکؓ نے عبدالملک کو یہ واقعہ لکھ بھیجا، تو وہ جوش غضب سے لبریز ہوگیا، اور اسی وقت حجاج کو یہ غضب آلود تحریر لکھی،

"تم اپنی اوقات اتنی بھول گئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم انس بن مالک سے گستاخی کی جرأت کی، میرا خط پاتے ہی پاپیادہ ان کی خدمت مین حاضر ہو کر ان کو

راضی کرو، ورنہ تم کو اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا، اس تحریر کو پڑھ کر حجاج کو چار و ناچار اسکی تعمیل کرنی پڑی، اور اپنے درباریون کے ساتھ حضرت انس بن مالک کی خدمت مین حاضر ہوکر ان سے معافی چاہی، اور ان کی رضامندی کا خط لے کر عبد الملک کے پاس بھجوایا،

(اخبار الطوال ص، ۳۲۲ و ۳۲۰)

ولید کے نام عبد الملک کی وصیت مین بھی مصنف نے تدلیس سے کام لیا ہے، اصل وصیت یہ ہے جو تنہا ولید کے نام نہین بلکہ اوس کی سب اولادون کے لئے تھی،

ہمیشہ خدا کا خوف کرنا کہ وہ سب سے بڑی جائے پناہ اور سب سے حسین زیور ہے، تم مین سے جو بڑا ہو اس کو اپنے چھوٹے کے ساتھ شفقت سے پیش آنا چاہئے، اور چھوٹے کو بڑے کی بڑائی کا لحاظ رکھنا چاہئے، اپنے بھائی مسلمہ کا ہمیشہ خیال رکھنا، اس کی رائے و مشورہ پر عمل کرنا کہ وہ تمھاری ڈھال، اور تمھارا قوت بازو ہے، حجاج کا احترام کرنا اس نے تمھارے دشمنون کو زیر کرکے تمھارا تابع فرمان بنایا ہے، تم مین اختلاف نہ پیدا ہونے پائے، جنگ مین شرافت کا پورا حق ادا کرنا، اس میں مرجانا ضروری نہیں ہے نیکی اور بھلائی کا مینار بننا کہ اس کا اجر اور نام باقی رہجاتا ہے، بھلائی ہمیشہ شریفون کے ساتھ کرنا کہ وہ اس کا حق ادا کرتے ہین، اور ممنون ہوتے ہین، خطاکارون کی خطاؤن کو نگاہ میں رکھنا، اگر پہلی مرتبہ معافی چاہین، تو معاف کر دینا، اور دوبارہ کریں تو سزا دینا۔"

(ابن اثیر جلد ۴ ص ۱۹۹)

معلوم نہین اس وصیت مین ملوکیت اور قیصریت کے کون سے اثرات ہین، عبد الملک نے اپنے لڑکون کی دنیوی اور دینی فلاح کے لئے چند مذہبی اور سیاسی وصیتین کی ہین، حجاج کے احترام کی ہدایت البتہ مصنف کے نقطہ نظر سے قابل اعتراض ہو سکتی ہے لیکن یہ واضح رہے کہ عبد الملک خالص دنیوی بادشاہ تھا،



حکومت کا بقا اس کا سب سے بڑا مقصد تھا، حجاج گو ظالم سہی، لیکن اموی حکومت مین اسکی بڑی خدمات تھین، ایسی حالت مین کیا عبد الملک اس کے متعلق اتنا بھی نہ کہتا،

عبد الملک کے بعد سلیمان بن عبد الملک کی باری آئی ہے، اس کے ظلم کے ثبوت مین یہ واقعہ نقل کیا ہے:

"سلیمان بن عبد الملک نے محمد بن قاسم فاتح سندھ کو بغیر کسی قصور کے راجہ داہر کی لڑکیون کیساتھ اتہام لگانے پر حکم دیدیا، کہ وہ اپنے آپ کو بیل کی کھال میں سی کر بھیجدے، محمد بن قاسم نے اس حکم کی تعمیل کی، لیکن جب خلیفہ کو حقیقت سے آگاہی ہوئی، تو اسکو اپنی اس حرکت پر بیحد ندامت ہوئی (ص ۹۱) اس واقعہ کے حاشیہ مین ارشاد ہوتا ہے، "یہ واقعہ قابل تنقید ہے، مولانا شرر نے اس واقعہ سے اختلاف کیا ہے، لیکن محمد بن قاسم کا سلیمان کے ہاتھون ہلاک ہونا ان کو بھی تسلیم ہے"

یہ چچ نامہ کی نہایت مہمل روایت ہے، خود مولانا عبد الحلیم شرر نے بھی جن کی تاریخ سندھ سے یہ واقعہ نقل کیا گیا ہے، اسکی تردید کر دی ہے، مستند بیانات کی رو سے سلیمان نے محمد بن قاسم کو معزول ضرور کیا تھا، لیکن قتل کا حکم نہین دیا تھا، اسکی ذمہ داری حجاج کے ایک دوسرے دشمن کے سر ہے، جس کی تفصیل آتی ہے،

سلیمان بن عبد الملک نہایت صالح خلیفہ تھا، محدث رجا بن حیوۃ اور عمر بن عبد العزیز اس کے مشیر خاص تھے، مورخین کا اس پر اتفاق ہے کہ اس نے تخت نشینی کے ساتھ مظالم کا انسداد اور اسکی تلافی شروع کر دی تھی، (ابو الفدا، جلد اول ص ۲۰۰) اور ولید کے دور کے ان تمام قیدیون کو جو بے قصور قید کئے گئے تھے، رہا کر دیا، اس سلسلہ میں اتنے قیدی چھوٹے کہ جیل خانے بالکل خالی ہو گئے (ابن اثیر جلد ۵ ص ۲۴) اسکا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اوس نے اپنی کئی اولادون کے ہوتے ہوے محض حضرت عمر بن عبد العزیز کی خوبیون کی وجہ سے ان کو خلیفہ نامزد کیا، (ابن سعد جلد ۵ ص ۲۲۷، و ۲۲۸) اس لئے اگر یہ کہا جائے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز

کے حسنات اور ان کی اصلاحوں میں ولید کا بھی اجر اور حصہ ہو تو شاید غلط نہ ہوگا، لیکن اس خوبی کے ساتھ وہ انتقام پسند واقع ہوا تھا، اور جن امرائے اسکی ولیعہدی کی مخالفت میں حصہ لیا تھا[1] تخت نشینی کے بعد اس نے ان سے پورا انتقام لیا، حجاج بن یوسف بھی انہی میں تھا، اس کے مظالم کی وجہ سے بھی سلیمان کو اس سے نفرت تھی، اسلئے اس کیساتھ اسکو گویا دوہری عداوت تھی، لیکن حجاج خوش قسمتی سے سلیمان کی تخت نشینی کے قبل ہی مر گیا تھا مگر سلیمان کو حجاج اور اس کے سارے متعلقین سے اتنی نفرت تھی، کہ اس نے اس کے ان اعزہ سے بھی جو درحقیقت اس کے مظالم میں شریک تھے، بدلہ لیا، چنانچہ محمد بن قاسم بھی جو حجاج کا چچیرا بھائی، اور اسکے خاص لوگون میں تھا، ناکردہ گناہ زد میں آگیا، اور سلیمان نے اسے معزول کر کے یزید بن ابی کبشہ کو سندھ کا حاکم بنایا، اس نے محمد بن قاسم کو قید کر کے عراق بھیجدیا، یہان کے والی صالح بن عبد الرحمن کے بھائی آدم کو حجاج نے قتل کیا تھا، اس کے دل میں کینہ بھرا ہوا تھا، اسکے انتقام میں اس نے محمد بن قاسم کو قتل کر دیا (فتوح البلدان بلاذری ص ۴۴۴ و ابن اثیر ج ۴ ص ۲۲۳) یہ ہے واقعہ کی اصل صورت،

ہشامی دور کے مظالم میں حضرت امام زین العابدین کے صاحبزادے حضرت زید کی شہادت اور آپ کی لاش کی بے حرمتی کا واقعہ لکھا ہے، (ص ۹۱)

اس واقعہ کے افسوسناک ہونے سے انکار نہین، اہل بیت کرام کی عظمت اور ان کے ساتھ بنی امیہ کی زیادتیاں مسلم ہین، لیکن یہ دونوں حریف مقابل تھے، ان کی ساری لڑائیان خلافت کے لئے تھین، حضرت زید مقدس بزرگ تھے، لیکن کوفیوں کے بھڑکانے سے انھون نے ہشام کی مخالفت کی، ان کے چچیرے بھائی ابوجعفر نے ان کو سمجھایا بھی، کہ اہل کوفہ کا کوئی اعتبار نہین، ان پر اعتماد نہ کیجئے، لیکن آپ کے اوپر کوفیون کا جادو ایسا چل چکا تھا، کہ ابوجعفر کا کہنا نہ سنا، اور کوفیون کے اعتماد پر ہشام کے مقابلہ میں اٹھ کھڑے ہوئے، لیکن عین جنگ کے موقع پر کوفیون نے ساتھ چھوڑ دیا، اور حضرت زید

[1] عبد الملک اپنی زندگی میں ولید کے بعد سلیمان کو نامزد کر گیا تھا، ولید نے اس کا نام خارج کر کے اپنے لڑکے کو ولیعہد بنانا چاہا، بعض امرا نے اسکی تائید بھی کی، لیکن ولید کو اسمیں کامیابی نہ ہوئی،



شہید ہوگئے، (تفصیل کے لئے دیکھو مروج الذہب مسعودی ج ۳ ص ۲۲۳، و الفخری ص ۱۸ و ۱۹) لاش کی بے حرمتی کا واقعہ صحیح ہے، لیکن یہ فوجیوں کی کینہ توزی تھی، اس کو ہشام سے کیا تعلق،

بنی امیہ کے مظالم دکھانے کے بعد اس بند پر اس بات کا خاتمہ ہوتا ہے:-

"جس خاندان کی حکومت نے مسلمانون پر جور و استبداد کے پہاڑ توڑے، اور زمین پر ان کی زندگی تنگ کر دی، وہ اپنی عمر کے اکیانوے سال بھی پورے نہ کرنے پائی تھی، کہ خود اپنے مظالم کا شکار بنی"۔

معلوم ہوتا ہے مصنف نے یہ تاثرات مرثیہ سے حاصل کئے ہین، ورنہ اس بیان کی کوئی تاریخی حقیقت نہین، بنی امیہ کا یہ جرم مسلم ہے کہ انھون نے خلافتِ راشدہ کو دنیاوی حکومت بنا دیا، اور ان میں شخصی فرمانرواؤں کی بہت سی برائیان آگئین، اور ان کے عہد مین ان کے خلاف سیاسی جماعتون پر مظالم بھی ہوئے، لیکن عام مسلمانون سے اس کا کوئی تعلق نہین، اموی حکومت ایک دنیاوی حکومت تھی، اور دنیاوی حکمرانون کی طرح اس کے حکمران اچھے بھی تھے اور برے بھی، یہ بھی تسلیم ہے کہ ان کے زمانہ مین اسلامی روح مردہ ہوگئی تھی، لیکن مادی حیثیت سے اسلام اور مسلمانون کو بہت سے فوائد پہونچے امویون ہی نے اسلامی حکومت کا ڈانڈا سندھ سے لیکر فرانس تک ملا دیا، یورپ مین وسط فرانس تک گھستے چلے گئے، بحر روم کے جزائر پر اسلامی پرچم لہرایا، مصنف نے اس کتاب کے اکثر مباحث مین بکثرت اقبال کے کلام سے موقع بے موقع استدلال کیا ہے، لیکن بنی امیہ کے معاملہ مین اونھون نے کلام اقبال کو کیون نظرانداز کر دیا، یہ کن مسلمانون کی اولوالعزمی کی داستان ہے:-

دین اذانین کبھی یورپ کے کلیساؤن مین | کبھی افریقہ کے تپتے ہوئے صحراؤن مین
دشت و دشت مین دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے | بحر ظلمات میں دوڑا دیئے گھوڑے ہم نے

یورپ کے کلیساؤں اور افریقہ کے صحراؤن میں کس نے اذانین دی تھین، اور بحر ظلمات مین

کس نے گھوڑے دوڑائے تھے، یہ کس مجاہد کا جواب ہے؟

طارق چو بر کنارۂ اندلس سفینہ سوخت — گفتند کارِ تو بہ نگاہِ خرد خطا است
دوریم از سوادِ وطن باز چون رسیم — ترکِ سبب ز روئے شریعت کجا رواست
خندید و دستِ خویش بہ شمشیر برد و گفت،
ہر ملک ملکِ ماست کہ ملکِ خدائے ماست

یہ کس کی دعا ہے؟

یہ غازی یہ تیرے پُراسرار بندے — جنھیں تو نے بخشا ہے ذوقِ خدائی
دو نیم ان کی ٹھوکر سے صحرا و دریا — سمٹ کر پہاڑ ان کی ہیبت سے رائی
دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو — عجب چیز ہے لذتِ آشنائی
شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مومن — نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی
خیاباں میں ہے منتظر لالہ کب سے
قبا چاہئے اس کو خونِ عرب سے

طارق کون تھا، ہسپانیہ کس کے زمانہ میں فتح ہوا؟

ہسپانیہ تو خونِ مسلماں کا امین ہے — مانندِ حرم پاک ہے تو میری نظر مین
پوشیدہ تری خاک میں سجدون کے نشان ہین — خاموش اذانیں ہیں تری بادِ سحر مین
روشن تھیں ستارون کی طرح انکی سنانین — خیمے تھے کبھی جن کے ترے کوہ و کمر مین
پھر تیرے حسینوں کو ضرورت ہے حنا کی — باقی ہے ابھی رنگ میرے خونِ جگر مین

ہسپانیہ کی سرزمین کن مسلمانوں کے خون کی امین ہے، اس کی خاک مین کن کے سجدون کے نشان پوشیدہ ہین، ستارون کی طرح کن مسلمانون کی سنانین روشن تھین، وہی ظالم اور جفا کار بنی امیہ انھی نے



اندلس کو فتح کیا تھا، مسلمان جس اندلس کی علمی و تمدنی عظمت پر فخر کرتے ہین، وہ بنی امیہ ہی کی قائم کی ہوئی تھی، اقبال نے معلوم نہین کتنے مقامون پر بنی امیہ کے کارنامون کا فخریہ ذکر کیا ہے، ان کی نظمیں جن جن اسلامی ملکون کے متعلق ہین، وہ تقریباً سب بنی امیہ ہی کی فتوحات کی یادگارین ہین، سسلی پر حملہ کا آغاز جس کے زوال پر اقبال کا دیدۂ خوننابہ بار دل کھول کر رویا ہے، بنی امیہ ہی نے کیا تھا، اور اسکی فتح کی تکمیل ملوکیت کے دوسرے نمایندے بنی عباس کے عہد مین ہوئی،

اموی عہد مین جہاد کی سرگرمی اور اشاعتِ اسلام ایسی کھلی ہوئی حقیقت ہے، کہ اس کے اعتراف پر خود مصنف بھی مجبور ہو گئے، چنانچہ لکھتے ہین :-

"بنی امیہ کے عہد مین اگرچہ ملوکیت کا نظام قائم ہوچکا تھا، مگر جہاد کا جذبہ تازہ تھا، اکثر صحابۂ کرام تبلیغ اسلام کے نشہ مین سرمست اور اعلاے کلمۃ اللہ کی نشر و اشاعت مین منہمک تھے لواے اسلامی کو بلند کرنے اور زمین کو کفر سے پاک کرنے مین یہ مقدس ہستیان خود مجسم تفسیر بنکر بنی نوع انسان کو ہدایت دے رہی تھین،

اگر اقبال کے شاہینی اوصاف اور مردِ کامل کا پرتو فسطائیت کے نمایندے مسولینی مین نظر آسکتا ہے، تو پھر اموی خلفا جن کے زمانہ مین خود مصنف کے قول کے مطابق جہاد کی سرگرمی پورے شباب پر رہی کیون اس سے محروم رہیں،

(باقی)

---

# مدراس کی عظیم الشّان نمائش تاریخ و تمدنِ اسلامی

از

جناب ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب استاذ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن

۲۳ رشعبان ۶۲ھ (۲۵ راگست ۴۳ء) کو گورنر مدراس نے گورنمنٹ محمڈن کالج مدراس میں نمائش تاریخ و تمدن اسلامی کا افتتاح کیا، مدرسۂ اعظم کو کالج بنانے پر پچیس سال گذر چکے ہیں، اس کی تقریب میں جو جشن سیمین (سلور جوبلی) منایا گیا، اس کا ایک جزاور ممتاز جزیہ نمائش بھی تھی،

جنگ کے باعث ملک میں حمل و نقل کی دشواریاں، مدراس کا محاذ جنگ پر ہونا اور دیگر موانع ہمتوں کو پست کرنے والے تھے، لیکن کالج کے جوان ہمت پیر دانا کی نیت اور تدبیر نے سنگلاخ مدراس میں ایک ملی گلزار جمادیا، نمائش کا جو سامان آیا تھا، وہ کچھ اس حُسنِ ترتیب سے پیش کیا گیا تھا، کہ خالص اسلامی آثار پر مشتمل ہونے کے باوجود ناظرین کی بہت بڑی تعداد ہندوؤں، عیسائیوں، پارسیوں، سکھوں، سوبھروں حتی کہ غیر مسلم عورتوں تک پر مشتمل تھی، گورنر مدراس جیسی مصروف شخصیت نے افتتاح کے دن آدھے گھنٹے کے معاینے کے بعد کہا کہ ان کا جی سیر نہ ہوا، وہ مکرر تفصیلی معاینے کے لئے آئے، اور دو گھنٹے رہے، مقامی غیر مسلم انگریزی روزناموں (مثلاً ہندو، میل، اکسپرس وغیرہ) نے متفقہ طور سے اپنے ناظرین سے کہا کہ اس خداداد موقع کو نہ کھوئیں، جمیع الہند نشرگاہ (آل انڈیا ریڈیو) نے بھی افتتاح کی رات کو تقریباً آدھ گھنٹہ اس کے معاینے کے تاثرات ایک قانونی پروفیسر کی زبانی سُنائے، اس میں علیگڈھ سے بھی لوگ آئے، آگرے سے بھی، پونا سے بھی، حیدرآباد سے بھی، اور دیگر انگنت مقاموں سے بھی



یہ ایک ہفتہ کے لئے تھی، مگر دو دن کی توسیع کرنی پڑی، راتوں کو فانوسی تقریریں بھی ہوئیں، ضیافتیں بھی، اب اسکی کچھ چشم دید کیفیت عرض کیجاتی ہی،

(۱)

اسلام کا آغاز چونکہ عہد نبوی سے ہوتا ہے، اس لئے ناظر نمائش میں داخل ہوتے ہی سب سے پہلے کمرۂ سیرت میں پہونچتا تھا، (یہ پورے کا پورا کتب خانۂ آصفیہ حیدرآباد کے سامان پر مشتمل تھا) درمیان میں ایک بڑے میز پر کئی گز لمبا اور اتنا ہی چوڑا لکڑی کا ماڈل مسجد نبوی کا بنایا گیا تھا، گنبد خضرا کا یہ اثر انداز منظر بڑا دل لبھانے والا تھا، اطراف دیواروں پر بھی فوٹوؤں اور نقشوں سے سیرت نبوی سمجھائی گئی تھی، مثلاً ولادت باسعادت چونکہ عام الفیل میں ہوئی تھی، اس لئے سب سے پہلے اس مقام کا فوٹو تھا جہاں حجازی روایات کے تحت اصحاب الفیل طیراً ابابیل کا شکار ہوئے تھے، پھر اس مقام کا فوٹو تھا جہاں سعودی دور سے پہلے مولد النبی کا مکان تھا، آگے جبل نور اور غار حرا کے فوٹو تھے، غار حرا میں پہلی وحی نازل ہوئی تھی، یہ اتنا بڑا ہے کہ ایک آدمی اس میں کھڑا رہکر نماز پڑھ سکے، یا پاؤں پھیلا کر سو سکے، طولاً اس کا قدرتی رُخ کعبے کی سمت ہی ہے، ہجرت حبشہ کے لئے بندرگاہ جدہ (شعیبہ) کا فوٹو، بیت الارقم جہاں ابتدائی تبلیغی کام انجام پاتا تھا، اور جس میں حضرت عمرؓ مسلمان ہوئے تھے، بیت عقبہ کے مقام کی یادگار مسجد، غار ثور جس میں ہجرت کے وقت جناب رسالت مآب صلعم اور حضرت صدیق اکبرؓ نے چند دن قیام فرمایا تھا، ثنیۃ الوداع جہاں مدینہ تشریف آوری پر ؎

| | |
|---|---|
| طلع البدر علینا | من ثنیات الوداع ، |
| وجب الشکر علینا | ما دعا للہ داع ، |
| ایہا المبعوث فینا | بالأمر المطاع ، |

گاتے ہوئے لڑکیوں بچوں اور عورتوں مردوں نے رسول کریم صلعم کا استقبال کیا تھا، مسجد قبا جو

دستِ مبارک نبوی سے تعمیر ہونے والی پہلی مسجد ہے، اور مسجد نبوی پھر بدر کا نقشہ، اور اس غزوہ کے متعلق متعدد فوٹو تھے، اسی طرح احد، خندق، حدیبیہ، اور فتح مکہ کے متعلق نقشے اور فوٹو نمایان کئے گئے تھے، یہان مکتوبات نبوی کے تین اصول کے فوٹو بھی تھے، جو صلح حدیبیہ کے بعد بغرض تبلیغ بیرونی حکمرانون کو بھیجے گئے تھے، اور آخر مین حرم کعبہ مین نماز کا ایک اثر انداز فوٹو یہ یاد دلا رہا تھا، کہ خدا کی عبادت کے لئے بنا ہوا سب سے پہلا گھر عارضی طور سے بت پرستی کا اگرچہ مرکز بن گیا تھا، لیکن اب وہ جاء الحق و زہق الباطل کے مصداق مگر معبود حقیقی کی عبادت کے لئے پوری دنیا کا قبلہ بن گیا ہے، اسب سے آخر مین مسجد نبوی اور گنبد خضرا کا ایک فوٹو یہ بتا رہا تھا، کہ رحمۃ للعالمین کا دنیا دی کام ختم ہو گیا، اور آپ رفیق اعلیٰ سے جا ملے،

(۲)

دوسرا کمرہ زیادہ تر غیر مسلمون کی واقفیت کے لئے تھا، کہ اسلامی عبادات مین کوئی چیز راز اور مخفی نہین ہے، یہان ایک نمونے کی مسجد کا بڑا لکڑی کا ماڈل تھا، جس مین نہ صرف منبر و محراب اور امام کا عصا تھا، بلکہ وضو کرنے کا وہ دَہ دَردَہ (۱۰×۱۰) حوض، نماز کا وقت معلوم کرنے کے لئے دھوپ گھڑی اور عام اوقات مین تلاوت کے لئے قرآن مجید کا ایک نسخہ مہیا کیا گیا تھا، دیوارون کے نقشے البتہ سب کی دلچسپی کے تھے، اولاً تو حنفی نماز کی جملہ حرکتین تصویرون مین بتائی گئی تھین، دوسرے دنیا کے مختلف ممالک کی مسجدون کے فوٹو فراہم کئے گئے تھے، جاپان، ملایا، لندن، پیرس، ترکی، مشرقی و مغربی افریقہ اور ہند وغیرہ کی خوشنما شاندار مسجدین بھی یہان تھین، جھونپڑون کے مماثل غربا کی عبادتگاہین بھی، ہند کے لئے جنوبی ہند، مشرقی ہند، مغربی ہند، شمالی ہند، حیدرآباد وغیرہ مختلف شعبے کر دیئے گئے تھے، اور تقریباً ڈیڑھ دو سو نمونون کی مسجدین کسی محقق کو جولانی طبع و روانی قلم کی دعوت دے رہی تھین، ہند کی قدیم ترین مسجدین دکن ہی مین ہین، یہ کمرہ زیادہ تر مدراس ہی کے وسائل سے آراستہ ہو گیا تھا،



اس مین دنیا کی مختلف زبانون مین قرآن مجید کے تراجم بھی جمع کئے گئے تھے،

(۳)

تیسرا کمرہ حج کے لئے تھا اور بڑی حد تک کتب خانۂ آصفیہ حیدرآباد سے آئے ہوئے سامان پر مشتمل تھا، درمیان مین کعبہ اور مسجد حرم کا ایک بہت بڑا لکڑی کا ماڈل تھا، جس مین صفا و مروہ کا درمیانی مسعیٰ بھی تھا، حنفی شافعی وغیرہ مصلے بھی، زمزم کا کنوان بھی، مقام ابراہیم بھی، کعبہ اور کعبہ پر سیاہ کپڑے کا غلاف اور غلاف مین سے حجر اسود بھی صاف نمایان تھے، رضا کار ایک ہی دن مین اتنے ماہر ہو گئے تھے، کہ یہ اگر کبھی حج کو جائین، تو مطوف اور معلم کی غلطیان بھی پکڑ سکین، دیوارون پر ایک نقشہ تھا کہ کس طرح مکہ نافِ زمین مین ہے اور کس طرح حج کے لئے احرام باندھنے کے اور میقات کے مقامون کے دائرے ہین، کیون یلملم کو محاذی ہونے پر ہندی حجاج احرام باندھتے ہین، پھر احرام باندھے ہوئے لوگون کے فوٹو، طواف اور سعی کے فوٹو، منیٰ عرفات و مزدلفہ مین قیام کے فوٹو، رمی جمرات کے فوٹو وغیرہ کے علاوہ غلافِ کعبہ کے سادہ اور زرین مختلف ٹکڑے بھی نمایان تھے، اور غیر مسلم ہی نہین مسلمان بھی بڑی دلچسپی محسوس کر رہے تھے، راقم الحروف نے ایک رات اپنی ایک درجن رشتہ دار خواتین کو خصوصی اجازت لیکر سب کی برخاست کے بعد معاینہ کرایا، انکی کیفیت اور تاثرات کے اظہار سے قلم عاجز ہے،

(۴)

اس سے آگے کا کمرہ تاریخ کا تھا، اس کا نصف سامان حیدرآباد سے آیا تھا، آغاز خلافتِ راشدہ کی تعمیراتی یادگارون مثلاً سقیفۂ بنی ساعدہ قصر سعید بن العاص وغیرہ کے فوٹوون سے ہوتا تھا، پھر اولاً دیوارون پر متعدد رنگین نقشے تھے، کہ عہد نبوی اور خلافتِ راشدہ مین ہر ہر خلیفہ کے زمانہ مین کتنا کتنا علاقہ حکومتِ الٰہیہ مین داخل ہوتا رہا، اور عام رائج جرمن نقشون مین خصوصی تحقیق کے ذریعہ سے بہت کچھ اصلاح کی گئی تھی، اس مین ایک تو ہر عہد کے فتوح کا رقبہ اور فتوحات نبوی کے متعلق علاوہ رقبے کے، انسانی جانون کا نقصان وغیرہ بھی بتایا گیا تھا، کہ دس سال مین دس لاکھ مربع میل

زیادہ سے زیادہ روزانہ دوسو چوہتر مربع میل کی فتح مین دشمن کے مشکل سے ہزار بھر آدمی مارے گئے، اور پھر بھی

...... پھیلا اسلام بزور تیغ،

دوسرے نقشے مین گذشتہ ساڑھے تیرہ سو سال کے جملہ اسلامی فتوح کوئی دس رنگون مین واضح کیے گئے تھے، اس مین عربی ماخذون کے علاوہ فرانسیسی مولف رینو کے حوالے سے انتہائی شمال کے علاوہ باقی فرانس، پورے سوئٹزرلینڈ اور شمالی اٹلی کے بعض حصص پر اسلامی رنگ بھرا گیا تھا، اسی طرح اطالوی مؤلف پریودے کے حوالے سے صقلیہ ہی نہین، بلکہ روما کے جنوب مین پورا جزیرہ نمائے اٹلی بھی اسلامی فتوحات مین شامل کیا گیا تھا، روسی مؤلفہ اولگاے بن ڈیف کے حوالے سے علاقہ قازان (بلغار) کا جو دریاے والگا پر آباد ہے، اسلامی نقشہ تیار ہوا تھا، یاقوت نے اس کا عہد عباسی میں اسلام سے ملحق ہونا تفصیل سے لکھا ہے، اور ابن فضلان کا (جو بغداد سے سفیر بنکر گیا تھا) مکمل سفرنامہ بھی اب مشہد کے کتب خانہ مین مل گیا ہے، جس کے فوٹو پر برلن لائبریری مین بعض مستشرق جنگ سے پہلے کام کر رہے تھے،

ایک اور رنگین نقشے مین پوری دنیا کی اسلامی آبادی واضح کی گئی تھی، کہ کہان اکثریت ہے، کہان اقلیت اور کہان بالکلیہ فقدان، ہر ملک کی جملہ آبادی، اس مین مسلمانون کی تعداد اور فی صدی تناسب بھی بڑی محنت سے مرتب کیا گیا تھا، ایک اور نقشے مین جو ٹریننگ کالج حیدرآباد کا بھیجا ہوا تھا، سنہ وار تاریخ اسلام تصویرون کے ذریعہ سے گھومنے اور لپٹنے والے کاغذ پر تیار کی گئی تھی، مثلاً سنہ ۲ھ مین میدان غزوہ بدر، سنہ ۱۰ھ مین جبل الرحمہ پر سے حجۃ الوداع کا خطبہ سنہ ۶۱ھ مین کربلا کی خانہ جنگی، کسی اور سنہ مین مکہ کا محاصرہ، اسلامی سکون کا اجراء، بغداد وغیرہ کی تعمیر، غرض معلومات کا نچوڑ چند منٹ مین سنیما کے پردے کی طرح نظرون کے سامنے آجاتا تھا، یہین جنگ یرموک اور جنگ ملازکرد کی عہد آفرین جنگون کے رنگین نقشے تھے، کہ دہلۂ اول مین اسلامی اور صلیبی فوجین کس طرح آراستہ تھین، دوران آویزش مین کیا نوعیت ہوئی، اور انجام کیا ہوا، یہ سب نقشے جامعہ عثمانیہ کے اساتذہ کے تیار کردہ تھے



خود محمڈن کالج (مدراس) کے مرتب کردہ نقشون مین ایک خلافت بنی امیہ کا اور ایک خلافت عباسیہ کا مختصر مگر دلچسپ تھے، چنانچہ خلفاء کے نام اور سنہ دیگر یہ بتایا گیا تھا، کہ کب پہلے پہل مسلمانون مین سکہ رائج ہوا، کب بحریہ قائم ہوا، کب ڈاک کا انتظام شروع ہوا، کب اضلاع مین ڈاک کے مرکز قائم ہوئے، کب معذورون، جذامیون وغیرہ کے لئے پناہ گاہین بنائی گئین، کب ٹینس کا کھیل شروع ہوا، کب رصدگاہ بنائی گئی، کب پن گھڑی بنائی گئی، کب دریاے نیل کے لئے آب پیما بنایا گیا، کب سفری دواخانے، طبیبون کے لئے امتحان کا لزوم، اور دیگر اہم واقعات پیش آئے، ان تمام چیزون کو بجائے الفاظ کے تصویرون کے ذریعہ سے بتایا گیا تھا، ایک اور نقشے مین اسلامی تجارت کی وسعت انتہاے چین و یورپ تک دکھائی گئی تھی، یہین بارہ امامون کے نامون، زمانون اور مقبرون کی تصویرون سے شیعہ تاریخ واضح کی گئی تھی، ترکی (عثمانی) سلاطین کے متعلق بھی مماثل تختے تھے، ایک سبق آموز مجموعہ ٹیپو سلطان کی متعلقہ تصویرون کا تھا، انہی مین ایک فوٹو اس کتبے کا بھی تھا جو حالیہ تعمیر شدہ عظیم الشان کرشنا راجہ ساگر کی تیاریون کے سلسلے مین دستیاب ہوا تھا، اور جس پر ٹیپو سلطان نے اپنے مجوزہ تالاب کے متعلق تفصیلات اور احکام دے کر لکھا تھا کہ یہ تالاب قیامت تک کام دے سکتا ہے، کرشنا راجہ ساگر کی تعمیر انہی تفصیلات کے مطابق ہوئی، اور سر مرزا اسماعیل دیوان میسور نے اب یہ کتبہ تالاب کو کے بند کے داخلے کی کمان مین نصب کرادیا ہے، اس کمرے مین فرامین کا بھی کثیر ذخیرہ فراہم کیا گیا تھا، سلاطین ترکی کے فرمانروایان کننور (ملیبار) کے سلاطین آصفی (حیدرآباد) کے، ہمایون، اکبر، جہانگیر شاہجہان کے، نیز بعض قدیم قلعون کے پیمایشی نقشے وغیرہ، یہین عربون کی سب سے قدیم اور سب سے اہم اور تاحال موجود تعمیراتی یادگار (یعنی بیت المقدس کے قبۃ الصخرہ کا ماڈل تیار کرا کر رکھا گیا تھا، یہ خلافت بنی امیہ کا کارنامہ تھا، اور اتنا نفیس کہ مامون خلیفہ ہوا تو اس کا جی تڑپنے لگا، کہ کاش وہ اسکی طرف منسوب ہوجائے آخر رہا نہ گیا، اور بانی کا نام کتبے مین سے نکلوا کر وہان اپنا نام لکھوا دیا، البتہ سنہ تعمیر کی تبدیلی یاد نہ رہی، اور

اس طرح اب چوری پکڑی گئی، اسی کمرے مین ایک دُرّہ بھی دکھایا گیا تھا، اور حضرت عمرؓ کے زمانے کی جنگ یرموک کے جغرافیائی نقشے کے سامنے وہ یہ بتا رہا تھا، کہ حضرت عمرؓ کی سپہ آرائی سے ان کے حریفون کی امن نوازی کچھ کم کامیاب نہ تھی، اسی کمرہ مین عجائب خانہ حیدرآباد کے روانہ کردہ قیمتی سکے تھے، ان مین سے ایک شاہجہانی اشرفی تھی، جو دو ہتھیلیون کے برابر تھی، کہتے ہین، کہ اس زمانہ مین بادشاہ کی نذر مین جو اشرفی پیش کی جاتی تھی، اس کی جسامت اور اس کا وزن پیش کنندہ کے مرتبے اور امارت کی مناسبت سے ہوتے تھے،

(۵)

کمرۂ کرناٹک مین نوابان ارکاٹ کا قیمتی سامان جواہرات ٹنکے ہوئے لباس وغیرہ تھے، اور کئی لاکھ روپیے کی مالیت کا اسباب آیا تھا، یہیں بعض قدیم فوٹو ان کے دربارون کے تھے، جن سے اس زمانے کا لباس، نشست کے مراسم و آداب اور دیگر تفصیلین معلوم ہوتی تھین،

(۶)

کمرۂ تعمیرات اسلامی مین بکثرت اہم عمارتون کے مرمرین یا پلاسٹر کے ماڈل تھے، اور ننھے ننھے رنگ برنگی برقی قمقمون سے جگمگاتے رہتے تھے، مثلاً تاج محل، موتی مسجد، مقبرۂ اعتماد الدولہ، قطب لاٹ، خاص محل وغیرہ، قدیم کتبون کے چربے (مثلاً تغلق کے دور کے) اسلامی عمارتون کے قدیم پیمایشی نقشے، (مثلاً قلعۂ بیجاپور، آگرہ وغیرہ) کے علاوہ ایک دلچسپ چیز محمڈن کالج کی طرف سے یہ آئی تھی، کہ اسلامی دنیا کو مختلف حصون مین تقسیم کرکے ہر حصہ کے اہم مقامون کی اہم عمارتون کے رنگین نقشے بنا دیے گئے تھے، مثلاً جنوبی ہند کے نقشے مین شہر مدراس کی جگہ مسجد والاجاہی، حیدرآباد کی جگہ چار مینار، اورنگ آباد کی جگہ بی بی کا روضہ وغیرہ، شمالی ہند کا الگ، اسپین کا الگ، مصر و شمالی افریقہ کا الگ، شام و فلسطین کا الگ، عراق و ایران کا الگ، وغیرہ، اور بکثرت ایسے مقامون پر اسلامی یادگارین بتائی گئی تھین، جہان [illegible]



بھی نہ ہو، ٹریننگ کالج جامعہ عثمانیہ سے ایک دلچسپ نقشہ آیا تھا، کہ تاج محل کی تعمیر مین اشخاص و سامان دنیا کے کس کس حصہ سے آیا تھا،

(۷)

کمرۂ آرکاٹ مین نوابان آرکاٹ کا لباس قد آدم مجسمون کو پہنا کر رکھا گیا تھا، ڈھاکے کے ململ کا ذکر سب پڑھتے اور سنتے آئے ہین، کم از کم راقم الحروف نے اُسے اپنی آنکھون سے عمر بھر مین پہلی دفعہ یہین دیکھا کہ ایک انگرکھا ہے، اس کا گز ڈیڑھ گز حصہ بھی وزن مین مشکل سے تولہ سوا تولہ ہوگا، مردانہ اور زنانہ دونون قسم کے لباس تھے،

(۸)

کمرۂ علمی کی تفصیل طویل ہوگی، یہان ایک میز پر عجائب خانۂ حیدرآباد کے اور دیگر حیدرآبادی سامان سے عربی خط کا ارتقا دکھایا گیا تھا، اولاً قبل اسلام کے دو عربی کتبے، پھر عہد نبوی (۵ھ) کے چند کتبے، پھر مکتوبات نبوی (ھ) پھر ۳۱ھ کا کتبۂ مصر، دوسری صدی و ما بعد کے قرآن مجید وغیرہ، ایک اور میز پر حیدرآباد سے آئے ہوئے تاریخی قرآن تھے، ایک اورنگزیب کے ہاتھ کا، اور ایک اس کے بدنام بھائی دارا شکوہ کے ہاتھ کا، بعض اور میزون پر وہیں کے منقش و زرکار قرآن مجید تھے، بعض میزون پر خوشخط با تصویر کتابین، بعض میزون پر نہایت قدیم عربی کتابین (جو پانچوین صدی ہجری سے شروع ہوئی تھین) نفیس مرقعے، قطعے وغیرہ بھی تھے، ایک قلمی فارسی انجیل بھی تھی، جو اب سے کئی سو سال پہلے جنوبی ہند کے ایک باخدا مسلمان نے ترجمہ کی تھی، اور کتب خانۂ سعیدیہ (حیدرآباد) نے علاوہ دیگر کتب وغیرہ کے یہ بھی بھیجی تھی، کتب خانۂ سعیدیہ نے ایک اثر انداز ذخیرہ آباً عن جدٍ مولفون کی تالیفون کا جمع کیا تھا، کہ کس طرح ایک علمی خاندان مین کم از کم پندرہ پشت سے مسلسل علمی خدمت انجام پارہی ہے، ابتدا مین صرف عربی ہے، بعد مین فارسی بھی آئی، اور سب سے آخر پانچ زبانون مین تالیفین

کرنے والے خدام دین آئے،

اسی کمرے میں ایک دلچسپ مجموعہ (۴۲) اسلامی ممالک کے ڈاک کے ٹکٹوں کا تھا ایک اور تقریباً اتنے ہی ممالک کے سکون کا حیدرآباد سے آیا تھا، اسی طرح مرکزی محافظ خانۂ سرکاری (رکارڈ آفس حیدرآباد) کے پاس سے آئی ہوئی نادر قلمی کتابیں اور دستاویزیں بھی نمایاں کی گئی تھیں، یہاں کے سامان کا بڑا حصہ بھی حیدرآباد سے آیا تھا،

(۹)

مغلئی نشست گاہ کو نظام کالج حیدرآباد کے ایک خاموش پروفیسر نے آراستہ کرکے بتایا تھا کہ مغلیہ تمدن میں شرفار کا گھر کیسا ہوا کرتا تھا، مسند، لباس، مسہری، حقہ، پاندان وغیرہ سب پرانے تھے،

(۱۰)

نگارخانہ بھی انہی پروفیسر صاحب کا تھا، سیکڑوں تصویرین مختلف شعبون مین تقسیم کرکے رکھی گئی تھیں مثلاً مسلمان حکمرانون کے ہندو وزراء وامراء اور ہندو حکمرانون کے مسلمان امراء، شکار، جانور، چرند، پرند، لباس، عورتین، اولیا روحانی، وغیرہ وغیرہ، یہیں کتابون کی جلدون کے نمونے بھی دلچسپ چیز تھے،

(۱۱)

سائنس کا ایوان مختصر مگر موثر تھا، علم ہیئت کے بکثرت آلات، دھوپ گھڑی جس سے وقت ہی نہیں مہینہ بھی معلوم ہوتا تھا، قدیم ہتیار اور زرہ بکتر، اورنگزیب وجہانگیر کی تلوارین، طبعیات کا سامان (مثلاً دائرۃ المعارف حیدرآباد کی شائع کردہ کتاب میزان الحکمۃ سے لیا ہوا میزان جامع جس مین پانچ خود بخود انتقال پذیر پلڑے ہوتے ہین، اور جو وزن ثقل کے اصول سے خود بخود دھٹ کر بتا دیتے ہین، اگر کس پلڑے میں سونا ہے، کس مین چاندی، کس مین ہیرا، کس میں غلہ وغیرہ اور چیز کو دیکھنے کی ضرورت



نہین ہوتی، بلکہ مصنوعی چیزون کو بھی یہ ترازو پرکھ لیتا ہے، اور اس کے ڈنڈے پر کے نشانون، دو لفظون کی مدد سے تولنے والا "بیک کرشمہ پنج کار" کا کام لے سکتا ہے، پرانے قفل اور چابیان وغیرہ،

(۱۲)

عربی کمرہ میں زمانۂ حال کی مدنی نشست گاہ، حیدرآباد سے سامان لاکر حیدرآباد ہی کے ایک کثیرالحج اور واقف و ماہر بزرگ نے سجائی تھی، اور خوبصورت مجسمون کو لباس پہنا کر اس عمدگی سے سجا اور سنوارا گیا تھا، کہ شاید سب سے دلکش کمرہ یہی تھا،

(۱۳)

زیرین منزل کا پہلا کمرہ اقبالیات کے لئے تھا، اقبال کی اور اقبال پر، یقینی اور مرقع چغتائی (برائے غالب) کے جواب میں مرقع ارشد (برائے اقبال) اتنا دلچسپ تھا، کہ نمایش کی طرف سے اس کے لئے خصوصی انعام (تمغہ و تھیلی) دیا گیا،

(۱۴)

دوسرا کمرہ شرقیات کے لئے تھا یعنی مغربی زبانون مین اسلام کے متعلق جو کام ہوا ہے، اس کے اہم نمونے جمع کئے گئے تھے، مثلاً کائتانی کی اطالوی تاریخ اسلام جو سنہ ۴۰ھ تک ہی کے لئے گیارہ ضخیم و جسیم جلدون مین ہے، یہ بھی جامعہ عثمانیہ کے کتب خانے سے مستعار آئی تھی، اور ادریسی کا نقشۂ عالم بھی جو جرمنی مین چھپا ہے، اور اب سے ہزار سال پہلے کا ہونے کے باوجود جدید ترین نقشون سے بہت قریب ہے، یہیں مختلف مستشرق عربی لباس پہنے فوٹو لے کر دکھائے گئے تھے، مثلاً نکلسن، آرنلڈ وغیرہ،

(۱۵)

تیسرا اور آخری کمرہ اردو کے لئے تھا، بکثرت اردو شعراء کی تصویرین جامعہ عثمانیہ کی عمارتون

کے نقشے اور فوٹو وغیرہ،

اس پر اصل نمایش تو ختم ہو جاتی تھی، البتہ باہر نکلنے پر ایک کتب فروش کی دوکان تھی، جہان اسلامیات کا بہت بڑا ذخیرہ تھا، اور ننانوے فی صدی حیدرآباد سے آیا تھا، سب سے بڑا حصہ دائرۃ المعارف کا تھا جس کی سیکڑون تالیفین بتا رہی تھیں، کہ خاموشی کے ساتھ کس قدر اہم کام انجام دیا جا چکا ہے، احیاء المعارف النعمانیہ (حیدرآباد) نے حنفی فقہ کے متقدمین کی تالیفون کو محفوظ اور شائع کرنے کے سلسلے میں جو اہم کام کیا ہے، کہ امام ابو یوسف، امام محمد شیبانی، خصاف وغیرہ کی نادر کتابین چھاپ دی ہین، اور بکثرت دنیا کے ہر حصہ سے فوٹو لے کر اپنے ہان جمع کر لی ہین، اسی طرح عالمگیر تحریک قرآن نے اپنے سیکڑون نشریات کا اہم انتخاب یہان بھیجا تھا، اس ادارے نے قرآن مجید کا ترجمہ بھی تیرہ زبانون مین مرتب کرایا ہے،

شیخ محمد اشرف (لاہور) کے نشریات کا پارسل نمایش کے چوتھے دن بھی نہ آیا تھا، اس کے بعد میں واپس ہو گیا،

غرض یہ نمایش نہایت کامیاب رہی، اور اس بات کا ثبوت تھی کہ اخلاص اور تعاون سے ہندی مسلمان بھی بہت کچھ کام کر سکتے ہین،

---





# کتاب اسلامی معاشیات کا ایک باب

از

مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی صدر شعبۂ دینیات جامعہ عثمانیہ

(۳)

**دعائی تدبیر کے ساتھ عقلی تدبیر**

جنگ بدر ہی کے موقع پر کامیابی کی اس کلی اور کلیدی تدبیر مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک طرف اتنا انہماک تھا یعنی کامیابی کا حقیقی اختیار جس کے ہاتھ مین تھا، اس سے مانگنے مین اگر اتنا زور صرف ہو رہا تھا، تو جاننے والے جانتے ہین، کہ جن راہون سے حق تعالیٰ جنگ مین کامیاب ہونے والون کو کامیابی عطا فرماتے ہین، جنگ کے ان ضوابط و آئین کے اختیار کرنے مین بھی آپ نے کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا تھا، میدان جنگ مین بہترین موقع کا انتخاب، فوج کی صف بندی، صفون مین ترتیب، اسلحہ کے استعمال مین ترتیب تیر کب چلائے جائین، تلوار کب نکالی جائے، پتھرون اور ڈھیلون سے غنیم پر کس وقت حملہ کیا جائے، ہر ایک کا ایک خاص فاصلہ مقرر فرما دیا گیا تھا، دشمنون کی ہر حرکت و سکون کی نگرانی، مادی ذرائع سے ممکنہ حد تک اُن کو منقطع کرنے کی تدبیرین وغیرہ وغیرہ، اُن میں سے ہر بات کی تعلیم اور اُن پر اپنی خاص توجہ براہ راست آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قائم کئے ہوئے تھے، یہانتک کہ دست مبارک مین خود تیر لیکر صفون کی ترتیب کو درست فرما رہے تھے[1]،

---

[1] ہمارے فاضل دوست ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے محض عقلی تدبیرون کو پیش نظر رکھ کر غزوات نبوی پر ایک مضمون لکھا تھا جس سے ان کی غرض یہ نہ تھی، جیسا کہ بعضون کو غلط فہمی ہوئی کہ انھی تدبیرون کے ساتھ ان لڑائیون کی کامیابیون کو منحصر خیال کرتے ہین، بلکہ صرف ایک پہلو کو نمایان کرنا مقصود تھا، ۱۲

اعتدال کے فطری نقطہ سے جن طبائع مین انحراف پیدا ہو گیا ہو، اس سلسلہ مین ان کا کچھ بھی مذاق ہو، لیکن حق کا مزاج خالص فطری حال پر باقی ہی، واقعہ تو یہ ہی کہ ان کی فطرت حصولِ مقاصد کی راہ مین تدبیر کی اسی جامعیت کو چاہتی ہے یعنی جو پیدا کر رہا ہے، اس سے بھی مانگا جائے، اور جن راہون سے چیزین پیدا ہو رہی ہین، ان مین بھی تلاش کیا جائے، تعلیم کی یہی جامعیت اسلام (خدائی تعلیم) کی خصوصیت ہی، اسلام کو الدین القیم (لازوال سیدھی راہ) قرار دیتے ہوے قرآن مین جو یہ فرمایا گیا ہی،

فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیہا — اللہ کی آفرینش جس پر پیدا کیا اس نے آدمی کو،

لا تبدیل لخلق اللہ، — اللہ کی پیدا کی ہوئی چیز کا بدلنا نہین ہی،

اس کا یہی مطلب ہی کہ جن فطری اقتضاءات اور حالات پر قدرت نے انسان کو پیدا کیا ہی، مذہب ان مین تبدیلی پیدا نہین کرتا، بلکہ فطرت کے اس نقطہ سے جن کی طبیعتیں ہٹ گئی ہین، وہ ان ہٹی ہوئی طبیعتون کو پھر فطرت کے اس مقام پر واپس کر دیتا ہی جس کے بعد آدمی کے تمام فطری مطالبات پیدا ہو جاتے ہین، اسی بنیاد پر مین تو یہ خیال کرتا ہون، کہ اپنی کامیابیون اور کامرانیون کے سلسلہ مین تدبیر و طریقۂ عمل کے ان دو شعبون مین سے کسی ایک شعبہ کو جو چھوڑ بیٹھتے ہین، بظاہر اس کا سبب ان کے مزاج اور طبیعت کا فطری بگاڑ ہوتا ہے،

دونون شعبون کی اہمیت مین فرق

البتہ پیدا کرنے والا چونکہ ایک ہی، اور جن راہون سے چیزین پیدا ہو رہی ہین، وہ بے شمار ہین، اور کیسی بے شمار کہ ان کی حد ہے نہ حساب، گہر بننے کے لئے ایک ایک قطرہ کو بقول غالب مرحوم ع

دام ہر موج مین ہے حلقۂ صد کام نہنگ

کے گوناگون پیچیدہ اور نازک قوانین سے سابقہ پڑتا ہی، اس لئے تدبیر کا پہلا شعبہ دوسرے شعبہ سے نسبتہً آسان ہی، ایک سے تعلق رکھنا، اور وہ بھی بھیک مانگنے سوال کرنے کا تعلق رکھنا ایسا کام ہی، کہ جس سے کچھ



نہین ہو سکتا ہی وہ بھی بالآخر اس کام کو کر ہی لیتا ہی، اسی لئے اس کا جذبہ تو قدرت نے ہر ایک مین رکھا ہی، اور اسی کا نام اصطلاحاً مذہبی جذبہ ہی، لیکن تدبیر کے دوسرے شعبہ مین عمل پیدایش کے ان پیچیدہ قانونون سے سابقہ پڑتا ہی، کہ ہاتھ سے چمچہ کو منہ تک پہنچانے مین آدمی کو ہزارون مرحلوں کا اندیشہ گذرتا ہی، یا جیسے غالب نے محسوس کیا، کہ ایک ایک قطرہ کو موتی کی حالت تک پہونچنے کے لئے دریا کے ہر حلقۂ موج مین جو نہنگون کے سیکڑون منھ کھلے پڑے ہین، سب کو بند کرنا پڑتا ہے، بقول کاشتکارون کے پگڑی کے ایک پھیرے مین کام بگڑتا ہی، گویا

رفتم کہ خار از پا کشم منزل نہان شد از نظر

کا خطرہ قدم قدم پر پیش آتا ہی، اسی لئے تدبیر کے اس جزئیاتی اور تفصیلاتی شعبہ کا حق ادا کرنا جیسا کہ چاہئے ہر شخص کے بس کی بات نہین ہے، اس پر وہی قابو پا سکتا ہی، جو پیدایش کے سارے قوانین اور ان کے نازک پہلوؤن پر گہری نظر رکھتا ہو، اور عمل کی قوتون سے بھی قدرۃً سرفراز ہو، غالباً یہی وجہ ہی کہ تدبیر کے اس شعبہ کا مکلف ہر شخص اپنی اپنی عقل اور قوت عمل ہی کے حساب سے بخلاف پہلے شعبہ کے کہ وہ ایک کلی تدبیر ہے، پیدایش کی راہون سے نہین، بلکہ خود پیدا کرنے والے سے اس کی پیدا کی ہوئی چیزون کو مانگنا ہے، جیسا کہ عرض کیا گیا، مانگنا ایک ایسا فعل ہی کہ دنیا مین جو کچھ نہین کر سکتا، مانگنے پر تو وہ بھی قادر ہوتا ہی، اور مانگنے ہی اسکی آخری پناہ گاہ ہی، اسی کے ساتھ جب ان امور پر بھی غور کیا جائے کہ پیدا کرنے والا چونکہ ایک ہی، وہ بدل نہین سکتا، لیکن جن راہون سے پیدا کر رہا ہے، اوس کو اختیار ہے کہ انھین بدل دے، پھر تدبیر کے پہلے شعبہ کا طریقۂ عمل جس علمی اساس پر مبنی ہے، (یعنی سب کچھ حق تعالیٰ پیدا فرما رہے ہین) چونکہ وہ ایک یقینی بلکہ جیسا کہ قرآن کا دعویٰ ہے، کہ فطری وجدانی ہے، بخلاف دوسرے شعبہ کے کہ جن راہون سے چیزین پیدا ہوتی ہین، اولاً ان سب کا احاطہ آسان نہین اور احاطہ کر لیا بھی جائے تو چونکہ اس سلسلہ کے سارے معلومات عقل و حواس سے حاصل ہوتے ہین، اس لئے عقل و حواس کے،

حدود میں اسباب وعلل کے جو حلقے داخل ہیں، ان تک تو رسائی ممکن بھی ہو، لیکن ان کی سرحدون سے جو حلقے باہر ہیں، ان کے متعلق اقرار جہل کے سوا عقل کے لئے کوئی چارۂ کار نہیں، اسی لئے سمجھنا چاہئے کہ اس راہ کی عقلی کوششین جس حد تک بھی پہونچی ہون، لیکن جو طریقۂ عمل عقل کے ان معلومات و تجربات پر مبنی ہوگا، بہر حال ناقص علم اور ناقص تجربہ ہی پر وہ مبنی ہوگا، بہرحال تدبیر کے ان دونون شعبون کے یہی نمایان امتیازات ہین، جن کی بنیاد پر اگر مذہب مین تدبیر کے پہلے شعبہ کو زیادہ اہمیت دی گئی ہے، تو یقیناً وہ اس کا مستحق ہو،

قرآن مجید میں

وَلِلّٰہِ غَیْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِلَیْہِ یُرْجَعُ الْاَمْرُ کُلُّہٗ فَاعْبُدْہُ وَتَوَکَّلْ عَلَیْہِ، (۱۲/۱۰)

اللہ ہی کی ہین آسمانون اور زمین کی پوشیدہ باتین، پلٹتی ہے بات سب کی سب اسی کی طرف، تو اسی کو پوجے چلے جاؤ، اور اسی پر ٹیک لگالو،

کی جو تعلیم دی گئی ہو اس کا یہی مطلب ہو کہ عقل سے تم زیادہ سے زیادہ پیدایش کے ان ہی آئین و قوانین کو دریافت کر سکتے ہو جو حواس و عقل کی رسائی کے حدود مین ہون، لیکن "السموات والارض" کے قوانین کا وہ حصہ جو حواس و عقل سے غائب ہو یعنی "غیب السموات والارض" ان کے متعلق تمھارے لئے چارۂ کار ہی کیا ہے، بجز اس کے کہ وہی ذات جس کے ساتھ تمام چیزون کی پیدایش وابستہ ہے، سارے کاروبار کی جس پر انتہا ہو، اسی کو اپنا دکیل بنا کر اسی کو پوجتے اسی سے مانگتے چلے جاؤ، اور اسی پر ٹیک لگا کر بیٹھ جاؤ، گویا عقل و حواس کی راہون سے جو معلومات، حاصل ہو سکین، ان کا جو اقتضا ہو، اس کو پورا کرنے کے بعد واقعہ یہی ہے کہ آخری پناہ آدمی کے پیدا کرنے والے کی پناہ اور اس پر توکل اعتماد کے سوا اور کہان مل سکتی ہو، جب ساری باتین اسی کی طرف لوٹ کر جاتی ہین، اور وہی مختار کل ہو، تو کیا وجہ ہو سکتی ہو کہ اپنے اوپر ٹیک لگانے والون کو وہ بے ٹیک اور بے سہارا کر دیگا،

وَمَنْ یَّتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ فَھُوَ حَسْبُہٗ (الطلاق)

جس نے ٹیک لگا لیا اللہ پر بس وہ بس ہو اس کو،



کا یہی مطلب ہو کہ بہر حال ایسا آدمی بے سہارا نہین ہو سکتا، اور یہی مقصد ہو اس کا کہ

فَمَنْ یَّکْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَیُؤْمِنْ بِاللّٰہِ فَقَدِ اسْتَمْسَکَ بِالْعُرْوَۃِ الْوُثْقٰی لَا انْفِصَامَ لَھَا، (البقرۃ ۳۴)

اور الطاغوت (یعنی ہر وہ چیز جو خدا سے طغیان و سرکشی پیدا کرے) اس کا جس نے انکار کر دیا، اور اللہ کو مان لیا، تو اوس نے پکڑ لیا مضبوط ترین کڑے کو نہیں ہو مسک بھی

کیونکہ جن راہون سے چیزین پیدا ہو رہی ہین، اگرچہ وہ بھی خدا ہی کی بنائی ہوئی راہین ہین، اور اسی لئے قرآن مین ان کا نام "سنۃ اللہ" (اللہ کی راہ ہو) اور یہ حق تعالی کی مہربانی ہے، کہ بدلنے کی قدرت کے باوجود بندون کی سہولت کے لئے جس چیز کی پیدایش کا جو طریقہ جاری فرما دیا گیا ہو عموماً اُسے بدلا نہین جاتا، سنۃ اللہ کی اسی عدم تبدیلی پر ہمارے تمام عقلی قوانین کی قانونیت اور کلیت مبنی ہے، اور اسی کلیت پر سارے کاروبار کا دار و مدار ہے، ورنہ پیدایش کی راہین اگر روز بدلتی رہتین تو کسے بھروسہ ہو سکتا تھا، کہ جو چیز جس طریقہ اور جس راہ سے آج پیدا ہوئی ہو کل بھی اسی طریقہ سے پیدا ہوگی، خدانخواستہ ایسا ہوتا، تو زراعت ہو یا تجارت، صنعت ہو یا حرفت، دنیا کا کوئی معاشی کام کیا سرانجام پا سکتا تھا؟

مگر ظاہر ہو کہ پیدایش کی عام راہون کے متعلق ہماری جو معلومات ہین، سنۃ اللہ کے تمام گوشون پر ان کے حاوی ہونے کا تو دعوی نہین کیا جا سکتا، آگ جلاتی ہو، بیشک عام آدمیون کے لئے یہی اللہ کی سنت ہے، جو آگ مین کودیگا، جلے گا، لیکن کون مدعی ہو سکتا ہے کہ اپنے رسولون اور برگزیدون کیساتھ بھی خدا کی یہی سنت اور اس کا یہی برتاؤ ہو، پانی مین آدمی ڈوب کر مرجاتا ہو، خدا کی یہ سنت ہو، لیکن مچھلی اسی پانی مین ڈوب کر زندہ رہتی ہے، کیا یہ خدا کی سنت نہین ہو، الغرض سنۃ اللہ کی عدم تبدیلی کے یہ معنی نہین ہین کہ جو علم سنۃ اللہ کے متعلق ہمین حاصل ہوا ہو اس مین بھی تبدیلی نہین ہو سکتی، مگر اسی کے مقابلہ مین جو پیدا کر رہا ہو، وہ خود بھی غیر متبدل اور اس کے متعلق جو ہمارا علم ہو وہ بھی غیر متبدل ہے، پس اسلام گو ان تدبیرون کا بھی

احترام کرتا ہے، جو تغیر پذیر معلومات پر مبنی ہیں، یعنی ہم جنہیں عقلی تدبیریں کہتے ہیں، اصرار کیا گیا ہے، کہ حتی الوسع ان معلومات کے مطابق طریقۂ عمل اختیار کرنے میں سستی اور غفلت نہ برتی جائے،

| | |
|---|---|
| وَلْيَأخُذُوا حِذْرَهُمْ وَأَسْلِحَتَهُمْ | اور چاہئے کہ اٹھالیں وے اپنے بچاؤ کے سامان |
| وَدَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ تَغْفُلُونَ عَنْ | کو اور اپنے ہتھیاروں کو، چاہتے ہیں وہ لوگ |
| أَسْلِحَتِكُمْ وَأَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيلُونَ عَلَيْكُمْ | جنہوں نے کفر کیا، کہ اگر تم غافل ہو جاؤ اپنے |
| مَيْلَةً وَاحِدَةً وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ | ہتھیاروں سے اور اپنے ساز و سامان سے تو |
| إِنْ كَانَ بِكُمْ أَذًى مِنْ مَطَرٍ أَوْ | ٹوٹ پڑیں وہ تم پر ایک دفعہ اچھی طرح سے |
| كُنْتُمْ مَرْضَى أَنْ تَضَعُوا أَسْلِحَتَكُمْ | ٹوٹ کر، اور اس میں مضائقہ نہیں، اگر بارش |
| وَخُذُوا حِذْرَكُمْ، | کی وجہ سے کچھ ناگواری ہو یا تم بیمار پڑ جاؤ یہ کہ |
| (النساء ۵/۱۵) | اتار دو اپنے ہتھیاروں کو اور لئے رہو بچاؤ کے سامان |

اس قسم کی قرآنی ہدایات کو اگر جمع کیا جائے، تو ان کا ایک ذخیرہ تیار ہو سکتا ہے، ظاہر ہے، کہ ان آیتوں میں تدبیر کے اسی شعبہ کے اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے جنہیں ہم عقلی تدبیریں کہتے ہیں، بیماری وغیرہ میں ہتھیار اتارنے کی اجازت دے کر پھر

خذوا حذركم (النساء ۵/۱۵) اپنے بچاؤ کے سامان کو پکڑے رہو،

کے حکم کو بحال رکھنا اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ تدبیر کے اس شعبہ کی بھی اسلام میں کتنی اہمیت ہے، ابوداؤد و ترمذی کی مشہور حدیث

| | |
|---|---|
| من بات وفي يده ريح غمر فاصابه | جو رات کو اس طرح سو جائے کہ اس کے ہاتھ |
| شيء فلا يلومن الا نفسه، | میں آلائش کی بو ہو، اور اسی وجہ سے کوئی |
| | (ضرر) اس کو پہونچے تو چاہئے کہ ملامت نہ کرے |



مگر خود اپنے آپ کو بسا اوقات چوہا سانپ
یا اسی قسم کے حشرات سے آدمی کو نقصان
اسی بے احتیاطی کی وجہ سے پہنچ جاتا ہے)

میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تصریح فرما دی ہے کہ اگر ان تدبیروں کے ترک کرنے سے کسی کو نقصان پہنچے تو اس نقصان کا وہ خود ذمہ دار ہے، پھر ناقص معلومات ناقص تجربات پر تدبیروں کا جو شعبہ مبنی ہے بے تمام پیچیدہ قوانین سے متعلق ہونے کی وجہ سے جن پر قابو پانا بھی آسان نہیں، سنۃ اللہ کی حیثیت سے نہیں، لیکن علمی احاطہ کی کوتاہی کی وجہ سے تغیر و تبدیلی کے احتمالات سے وہ پاک نہیں ہے، خصوصاً جب اس سلسلہ کے غیبی حلقے ہماری نگاہوں سے اوجھل بھی ہیں، علاوہ اس کے جن راہوں سے چیزیں پیدا ہوئی ہیں، وہ علم و ادراک وغیرہ کے حیاتی صفات سے بھی عموماً خالی ہوتی ہیں، لیکن باوجود ان تمام باتوں کے جب تدبیر کے اس شعبہ کو ہم ترک نہیں کر سکتے، نہ عقلاً ترک کر سکتے ہیں، نہ ہماری فطرت اسکی اجازت دیتی ہے، نہ دین کا یہ حکم ہے، تو تدبیر کا وہ شعبہ جو ناقص معلومات پر نہیں علم کی لازوال ٹھوس غیر متبدل اساس پر مبنی ہے بہتوں سے نہیں، بلکہ اس تدبیر میں صرف ایک ہی سے کہنا ہے، جو کچھ کہنا ہے ایک ہی سے پانا ہے، جو کچھ پانا ہے، اسی کے ساتھ اگر یہ بھی پیش نظر رکھا جائے، کہ تدبیر کی اس راہ میں ہمارا جس سے تعلق ہے، وہ ایک حی و قیوم، زندہ و توانا دانا و بینا ذات ہے، صرف یہی نہیں بلکہ رحم و کرم سے بھی معمور ہے، ارحم الراحمین ہے اپنے رسول کے ذریعہ سے اس نے خود اپنی اس خصوصیت کا اعلان کیا ہے کہ

| | |
|---|---|
| من لم يسأل الله يغضب عليه | جو اللہ سے نہیں مانگتا، اللہ تعالیٰ اس پر |
| (ترمذی) | غصہ فرماتے ہیں، |
| من لم يسأل الله غضب الله | اللہ سے جو نہ مانگے حق تعالیٰ اس پر غصہ |
| عليه (حصن حصین بحوالہ مصنف ابن ابی شیبہ) | ہوتے ہیں، |

جس کا کام ہی دینا ہو دینے ہی کے لئے بیٹھا ہو، اگر اسی کے حکم

رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَا اِلٰهَ — پالنے والا پورب اور پچھم کا نہیں ہو کوئی

اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا (المزمل ۲۹) — الٰہ اس کے سوا۔ بس بنا لو اس کو اپنا وکیل

کی تعمیل کرتے ہوئے مشرق و مغرب کے اسی پالنے والے پر اپنی زندگی کے ضروریات میں ہم بھروسہ اور اعتماد کرین اور اس سے ہم یہ امید رکھین کہ بہرحال وہ ہمین نہین چھوڑے گا، ہم پر رحم کرے گا، ہماری ضرورتوں کو پوری کرے گا، تو بتایا جائے کہ عقلاً و فطرۃً، دیناً و ایماناً ہم اس کے سوا اور کر ہی کیا سکتے ہین، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حق تعالیٰ کا یہ قول جو نقل فرمایا ہو کہ

انا عند ظن عبدی بی فلیظن — مین اپنے بندے کے خیال کے پاس رہتا ہون

بی ماشاء — بس خیال کرے بندہ میرے متعلق جو چاہے

حق تعالیٰ سے ہمین فطرۃً جو توقع رکھنی چاہئے اس حدیث مین اسی توقع کو قائم کرنیکی طرف اشارہ کیا گیا ہو، بلاشبہ عقلی تدبیرین بھی، تدبیرین اور ناگزیر تدبیرین ہین، لیکن جو اصل واقعات کے عالم ہین وہ جانتے ہین، کہ "المیت" کے لحاظ سے دونون تدبیرون مین کیا نسبت ہو، واقعہ تو یہی ہے جس کا اعتراف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حق تعالیٰ کو خطاب کرکے ان الفاظ مین فرماتے ہین:

رب لاتکلنی الی نفسی طرفۃ<br>عین واصلح لی شانی کلہ فانک<br>ان تکلنی الی نفسی تکلنی الی<br>ضعف وعورۃ وخطیئۃ وذنب<br>وانی لا اثق الا برحمتک

اے میرے رب مجھے میرے حوالہ نہ کیجئے (یعنی بجائے اپنے آپ مجھے خود اپنے بھروسہ پر مجھے نہ چھوڑیئے) پل بھر کے لئے بھی، اور سلجھا دیجئے میری باتین ساری، کیونکہ اگر آپنے مجھے میرے سپرد کر دیا تو آپ سونپ دین گے مجھے صرف کمزوری کو اور عورت[1] کو، چوک کو، گناہ کو، اور مین نہین

[1] عورت ان کمزوریوں کو کہتے ہین جنھیں آدمی ظاہر کرنا نہین چاہتا، بس خود ہی جانتا ہو یا اس کا خدا اردو



الی نفسی" کے الفاظ سے تدبیر کے انہی شعبون کی طرف اشارہ ہو، جن کا تعلق آدمی کے ناقص معلومات، تجربات، ذاتی ناقص عقل اور اس کے ناقص اختیار و قوتی سے ہو، اسی لئے کہا جاتا ہو کہ کرنا تو سب ہی چاہئے، تدبیر کے دونون شعبون کے حقوق کو ادا کرنا چاہئے، لیکن بالفرض اگر ان دونون مین سے کسی ایک کو چھوڑنا ہی پڑے تو ظاہر ہو کہ دیوانون کے سوا اور کون ہوگا جو پہلے شعبہ کو ترک کرکے دوسرے شعبہ کو اختیار کریگا، پیدا کرنے والے سے اسکی پیدا کی ہوئی چیزون کے مانگنے اور اسی کے ساتھ بیٹھے رہنے مین اگر کچھ نہین تو یہی کیا کم ہو کہ غلام کو آقا کی سرگوشی اور مناجات کی سعادت تو حاصل ہو جاتی ہو، وابتغوا عند اللہ الرزق واسئلوا اللہ من فضلہ (مانگو اللہ سے روزی اور مانگو اللہ سے اس کے فضل کو) اس حکم کی تعمیل کی وجہ سے،

من جاء بالحسنۃ فلہ عشر امثالہا — جو ایک نیکی لیکر حاضر ہوگا اسکو اسکی برابر دس گنا دیا جائیگا

کی بنیاد پر اس ایک نیکی کے صلہ مین دس نیکیون کے ملنے کا استحقاق تو پیدا ہو جاتا ہو، اسی کی طرف اس حدیث مین اشارہ کیا گیا ہو کہ

ما من عبد یدعو بدعاء الا اتاہ اللہ<br>ما سأل او کف عنہ من السوء او<br>ادخرلہ فی الآخرۃ خیرا منہ<br>(حصن حصین، ترمذی، رزین)

کوئی بندہ ایسا نہیں ہو کہ مانگے وہ کوئی دعا، پھر یا اللہ تعالیٰ اسکی اسی دعا کو پوری فرماتے ہین جو اس نے مانگی تھی، یا کسی برائی (مصیبت یا بلا) کو روک دیتے ہین، یا ذخیرہ کر دیتے ہین اس کے لئے الآخرۃ مین کوئی ایسی چیز جو اسکی مانگی ہوئی

جس کا یہی مطلب ہوا کہ حصولِ مقاصد کی یہ تدبیر کسی حال مین ضائع نہین ہوتی، جس مقصد کیلئے یہ تدبیر اختیار کی گئی ہو ممکن ہو کہ کسی وجہ سے مانگنے والے کو وہ نہ ملے لیکن کچھ نہ ملے اس راہ مین یہ نہین ہو سکتا، اسی لئے بعضون نے کہا ہو کہ روپیہ مانگنے والونکو جب روپیہ ہی مل جاتا ہو تو وہ خوش ہوتے ہین کہ ہماری دعا قبول ہوئی لیکن بجائے روپیہ کے جب دینے والا اشرفی دیتا ہو تو جو نہیں جانتے ہین وہ کہتے ہین دعا قبول نہین ہوئی،

(بقیہ حاشیہ ص ۲۸۲) مین اس کیلئے کوئی اچھا لفظ نہین ہو ناگفتنی یا چاہا جائے تو نہفتنی بھی ترجمہ ہو سکتا ہو مگر عام طور پر سمجھا جائیگا

اور جن لوگون کا خیال ہے، کہ کوئی دعا مسترد اور نامنظور نہین ہوتی، انکے کلام کا ایک مطلب یہ ضرور ہو سکتا ہے، اشتہ اس بنیاد پر اگر "استجابت" و "اجابت" وغیرہ قرآنی الفاظ کا ترجمہ "قبول کرنا" کر لیا جائے تو اس لحاظ سے اسکی تصحیح ہو سکتی ہے، اور فرض بھی کیجئے جیسا کہ مین نے پہلے عرض کیا، کہ خدا بہرحال خدا ہے بندہ نہین ہے، اس کا علم اگر ہمارے جہل کا ساتھ نہ دے، اور ہم جو کچھ مانگ رہے ہون، اس کا دینا خود ہمارے لئے یا کسی دوسرے نظم کے اختلال کا باعث ہو، تو پھر بھی تدبیر کا یہ ایسا عمل ہے کہ علاوہ ان مواعید کے جن کا ذکر مذکورہ بالا حدیث مین کیا گیا ہے، یون بھی اسلام کی یہ تعلیم ہے کہ دینے والے سے ہمارے تعلقات کی ہمیشہ یہی نوعیت رہنی چاہئے، یعنی جو مل جائے اس پر شکر کیا جائے، شکر کی خاصیت

لئن شکرتم لازیدنکم (ابراہیم ۲) — اگر گن گاؤگے تم تو بڑھاتے چلے جائین گے ہم تمھین

قرآن مین بتائی گئی ہے گویا حاصل شدہ نعمتون کی ترقی کا شکر ایک قرآنی ذریعہ ہے، اور جو نہ ملا، نہ ملنے سے ممکن ہے کچھ ضیق ہو، تکلیف ہو، لیکن اپنی کوشش سے جو اس تکلیف کو ٹال نہین سکتا، اسے صبر کرنا چاہیے، صبر کے متعلق

اولئک علیهم صلوات من ربهم ورحمة واولئک هم المهتدون (البقرہ ۲)

یہی لوگ ہین جن پر صلوات ہین اُن کے مالک کی طرف سے، اور رحمة اور یہی لوگ راہ یافتہ ہین،

کے وعدون کے سوا صبر کا ایک بڑا عظیم ثمرہ،

انما یوفی الصابرون اجرهم بغیر حساب، (الزمر ۲۳)

بلاشبہ پورا پورا دیا جائے گا صبر کرنے والونکو ان کا اجر بغیر شمار کے،

بھی بتا دیا گیا ہے، اور جو حق تعالیٰ کی معیت و رفاقت کے سرور سے آشنا ہے اس کو تو

۱ واللہ مع الصابرین، (البقرہ) اور اللہ تعالیٰ صبر کرنے والون کے ساتھ ہین

کی بشارت ایک سے زیادہ مقامات پر سنائی گئی ہے،

(باقی)



# میر حسن کی ایک نادر مثنوی

از

جناب محمد ابو اللیث صاحب صدیقی بدایونی، ایم اے علیگ لکچرار شعبۂ اردو مسلم یونیورسٹی علیگڈھ

میر حسن کے مطبوعہ کلام مین دو مثنویان ہین، ایک سحر البیان یعنی مثنوی بے نظیر بدر منیر، اور دوسری گلزار ارم، بدر منیر کے متعدد نسخے مختلف اوقات مین شائع ہوئے ہین، لیکن گلزار ارم ایک ہی مرتبہ طبع ہوئی، اور کم حضرات اس سے بھی واقف ہین، لیکن ان دو مثنویون کے علاوہ میر حسن کا کلام اب تک غیر مطبوعہ ہے، مولانا آزاد جب آب حیات لکھ رہے تھے، تو انھین بڑا ملال تھا، کہ میر حسن کی کلیات دستیاب نہ ہو سکی، جو پانچ شعر بھی انتخاب کر کے لکھے جاتے، اُن کے بعد بھی عرصہ تک لوگون کو اس کی تلاش مین کامیابی نہ ہوئی، کچھ عرصہ ہوا نواب صدر یار جنگ بہادر مولانا محمد حبیب الرحمان خان شروانی کو اس کا ایک اچھا نسخہ دستیاب ہو گیا، اور ایک دوسرے نسخہ کا پتہ پٹنہ مین چلا، پٹنہ والے نسخے پر قاضی عبد الودود صاحب نے اپنے رسالہ معیار مین ایک مضمون لکھا، اور میر حسن کی ایک تیسری مثنوی قصر جواہر، بالاقساط اسی رسالہ مین شائع کر دی، اس کے بعد معیار بند ہو گیا،

مین اس زمانہ مین ایسے شعراء پر کچھ تحقیقی کام کر رہا تھا جو دہلی سے ہجرت کر کے لکھنؤ اور فیض آباد گئے، ان مین میر حسن بھی تھے، میرے سامنے علاوہ مذکورہ بالا کلام کے صرف ایک چیز اور تھی، یہ مولانا حسرت موہانی کا انتخاب کلام میر حسن تھا، لیکن مین نے محسوس کیا کہ بغیر کلیات کے متعدد نسخے تلاش کئے، میر حسن کے کلام کے ساتھ انصاف کرنا ممکن نہ ہوگا، چنانچہ مین نے کوشش جاری رکھی، اور کلیات کے کئی نسخے فراہم کر لئے،

چنانچہ اس وقت میرے پیش نظر ایسے تین قلمی نسخے ہین، ان مین کلام کی ترتیب مختلف ہے، لیکن اس کی تقسیم اس طرح کیجا سکتی ہے، :-

(۱) غزلیات (۲) قصائد (۳) مثنویات (۴) مسدس (۵) مثلثات (۶) ہجویات (۷) متفرق اصناف سخن (۸) فردیات (۹) رباعیات،

ان مین دو اصناف خاص طور پر اہم ہین (۱) غزلیات (۲) مثنویات، غزلیات علٰحدہ تفصیلی مطالعہ کی محتاج ہین، اس لئے اس صحبت مین صرف مثنویات کا ذکر کیا جاتا ہی،

کلیات مین چھوٹی بڑی گیارہ مثنویان شامل ہین، جن مین چھ زیادہ اہم ہین، (۱) مثنوی تہنیت عید (در تعریف جواہر خان ناظر بہو بیگم (۲) قصر جواہر (در تعریف قصر جواہر خان) (۳) مثنوی شادی (بیان شادی آصف الدولہ) (۴) رموز العارفین (در معرفت) (۵) سحر البیان (۶) گلزار ارم،

ان مین سے آپ کے سامنے مثنوی رموز العارفین کا انتخاب اور اس کے متعلق بعض اشارات پیش کئے جاتے ہین،

یہ مثنوی ضخامت مین غیر مطبوعہ مثنویون مین سب سے بڑی ہے، اور مطبوعات مین بھی صرف سحر البیان اس کے برابر ہے، لیکن میرحسن اپنی اسی مثنوی کو سب سے بہتر سمجھتے ہین، چنانچہ اپنے تذکرہ مین لکھتے ہین :-

"فقیر نے اس مدت میں قریب سات آٹھ ہزار شعر کہے، ایک ترکیب بند اور ایک مثنوی رموز العارفین کہی ہی، جسے لوگوں نے بہت پسند کیا ہی، اور وہ مشہور ہے"

مثنوی جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے، ایک اخلاقی مثنوی ہے جس مین معرفت کی تعلیم ہے، چھوٹے چھوٹے قصے نظم کرکے ان سے اخلاقی نتائج مترتب کئے ہین، ابتدا حمد و نعت سے کی ہے، اس کے بعض اشعار یہ ہین :-



ہے سزاوار ثنا وہ کردگار، جس نے کی وحدت سے کثرت آشکار
ایک دانے سے عیان خرمن کیا ایک شعلہ سے جہان روشن کیا،
ہے اُسی کے نور کی ہر طرف سیر کیا چراغ کعبہ کیا شمع دیر،
ہمچنین تا صد چراغ از عقل شد دیدن آخر تقاضا نقل شد،
دیکھ تو کثرت مین وحدت کو ذرا سو مقامون سے یہ چھائی ہے نوا
کب صدا سے کوئی باہر ہے مقام ہر مقامون کو صدا ہی سے ہے کام
کیا رباب و ارغنون کیا چنگ پر ہے صدا چھائی ہوئی ہر رنگ پر
حق محیط جملہ آمد اے پسر اندر آر د کارش از کار دگر
گرچہ ہے سب کچھ اوسی کا یہ ظہور پر کہا جاتا نہیں سایے کو نور
نور اپنی جا ہے، سایہ اپنی جا نیک و بد میں فرق کرنا ہے بھلا
گر نہ ہوتا یہ تو اے یار عزیز کیا خدا دیتا تجھے عقل و تمیز
ناحق اور حق کو ذرا پہچان تو دل سے آ حق کی طرف کر دھیان تو

اسی طرح حمد مین سات شعر اور ہین، اس کے بعد نعت شروع کی ہے،

وہ محمدؐ وارث کون و مکان جس کی خاطر یہ بنے کون و مکان
وہ محمد رحمۃ للعالمین، جس کا خادم ایک جبریل امین
نعت مین اس کی کہوں کیا مین سخن مین کہاں اور نعت اسکی کیا حسن
مدح جس کی خود کہے پروردگار کیا ثنا اوس کی لکھوں میں خاکسار
مرتبہ اس کا یہان تک ہے بلند عقل کل کی واں نہیں لگتی کمند،
شافع محشر ہے وہ خیر البشر ہو درود اس پر اور اس کی آل پر

وہ جو پیرو اُس کے ہیں اور دوستدار
چار یار و چار یار و چار یار

اُن کا ہوں مداح میں اے ذوالجلال
پنجتن کے فضل سے کردے نہال

.. .. .. .. .. .. .. ..

عارفوں کے رمز سے آگاہ کر
ملکِ درویشی میں مجھکو شاہ کر

دے بشارت حق شناسی کی مجھے
جس طرف دیکھوں تو میں دیکھوں تجھے

اس کے بعد سببِ تصنیف بیان کیا ہے، اور تاریخ نظم کی ہے،

شاعری میں عمر ہے کھوئی تمام
میں نے عقبیٰ کا کیا ہرگز نہ کام

اپنی اس بیہودگی سے ہوں خجل
شعر کہنے سے پھرا ہے میرا دل،

جی میں ہے وہ جو ہوئے ہیں نیکنام
کچھ لکھوں میں ان بزرگوں کا کلام

جس کے سننے سے ہو عقبیٰ کا حصول
کوئی دم جاؤں میں اس دنیا کو بھول

. . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . .

در پسِ ہر گریہ آخر خندہ‌ئی
مردِ آخر بین مبارک بندہ‌ئی

عارفوں کی بسکہ ہیں رمزیں لکھیں
نام اُس کا ہے رموز العارفین

جب بھرا ذرہائے معنی سے یہ طشت
تھے ہزار و یکصد و ہشتاد و ہشت
۱۱۸۸ھ

داستانوں کے نمونہ کے لئے پہلی داستان مکمل نقل کیجاتی ہے :-

بشنوید اے دوستان این داستان
خود حقیقت نقد جانِ ماست آن

ہے حکایت یوں کہ اک درویش تھے
عشق میں اللہ کے دلریش تھے

تھے وہ عارف اور صاحب حال تھے
واصلِ حق اور نیک اعمال تھے

چھوڑ کر دنیا ہوئے تھے وہ فقیر
عشق کو مرشد سمجھ اور دل کو پیر



حق کے در پہ بیٹھے تھے وہ سرمنڈا
عارفوں میں تھا انھیں کا سلسلہ

رشتۂ الفت کی تھی سیلی پڑی
آہ درد آگے آنکھیں چھڑی (کذا)

خرقۂ وجبہ فقط ذکرِ اللہ
قبۂ افلاک کی سر پر کلاہ

دل کا تھا کچکول اک آگے دھرا
آرزوے اوس کی رہتا تھا بھرا

ایک دنیا دار نے القصہ جا
چاشنی کا فقر کی پوچھا مزا

مستِ حق سے وہ غرض آگاہ تھا
دیکھنے میں تھا گدا پہ شاہ تھا

یعنی اے حضرت بتاؤ مجھ کو تم
جاگتے جیتے ہوئے دنیا سے گم

حق نے یہ دنیا جو کی ہے اس لئے
اوس کی سب لذت اٹھاویں اسے

نعمتیں حق نے جو کی ہیں آشکار
کیوں نہ کھاویں ان کو جو ہوں ہوشیار

بندگی کا رکھ شریعت میں قدم
دین کر دنیا میں حاصل دمبدم

ہے سوال اپنا یہ اے عالی جناب
دے حقیقت کے مزے کا کچھ جواب

کیا مزا ہے اس میں اور کیا رنگ ہے،
بارے اس عالم کا کہ کیا ڈھنگ ہے

یعنی سُن اس بات کو اے یار عزیز
دل میں اپنے ٹک سمجھ گر ہے تمیز

شرع کا مانع حقیقت تو نہیں
پر کہاں یہ فہم ہر اک کے تئیں،

فی الحقیقت گر حقیقت کا بیان
میں کہوں تو کیا کہوں اے میری جان

نقل کیا اک برمحل پہنچی ہے آ،
گوشِ دل سے اس کو تو سنیو ذرا

"خوشتر آن باشد کہ سرِ دلبران
گفتہ آید در حدیثِ دیگران"

اک محلہ میں تھیں کتنی لڑکیاں
کھیل میں باہم تھیں وہ سب ہتیاں

گڑیاں کھیلا کرتی تھیں آپس میں وہ
تھیں بہم اس بات میں ہم قسم وہ

یعنی ہم مین سے جو بیاہی جائے تو　　کھیل کو دل میں رکھے اپنے گرو

جب چھٹین سسرال سے میکے میں آ　　ہاتھ سے جانے نہ دیں ہم یہ مزا

ہم قسم باہم ہوئین اس قول پر　　کتنی مدت جب گئی اس پر گذر

ناگہان ان مین سے شادی ایک کی　　اتفاقاً ان دونوں میں ہو گئی

بعد کتنے دن کے وہ سسرال سے　　آئی میکے میں عجائب حال سے

رسمی نوشہ کے جام وصل سے　　جی میں خوش اور شادکام وصل سے

اور ہی چتون اور عالم اور ہے　　اور ہی شادی اور غم کچھ اور ہے

دھیان گڑیون سے نہ مطلب کھیل سے　　کچھ خبر مستی سے اور کچھ تیل سے

خورد سالی کی وہ باتون سے نفور　　لڑکیون ہجولیون سے دور دور

ایک نے تب دیکھ کر اُس کا یہ حال　　جا کیا گوشہ میں اوس سے یہ سوال

کیون بہن کیا تھا ہم قول و قرار　　بھول گئین کیوں کھیل کے دار و مدار

بیاہ مین تونے مزا پایا ہے کیا　　گم گیا جو کھیل کا سارا مزا،

اس مزے سے ہم کو بھی آگاہ کر　　تلخ ہے شیرین ہے کہدے سر بسر

گڑیون کے بھی کھیل سے کیا ہو عزیز　　بیاہ کہتے ہین کسے وہ کیا ہے چیز

جب کہا اوس گھر بسی نے اے بہن　　کہنے کے لائق نہین ہے یہ سخن

تلخ و شیرین ہو تو بولون ماجرا،　　جیب پر آتا نہین اوس کا مزا،

بات ہے باہر بیان سے اس کی تو　　جی ہی جانے ہے یہان ہے گو مگو۔

بیاہ جب یونہی تمہارا ہووے گا　　تب مزا معلوم سارا ہووے گا۔

تم بھی تب یہ کھیل بھولوگی تمام　　اور ہی کھیل ہوگا والسلام

(باقی)



اصل جب پیدا ہو پھر کیا نقل سے　　کر ذرا دریافت اس کو عقل سے

اب کے اُس کھیل میں رہنا ہو غرق　　جھوٹ اور سانچ میں کتنا ہے فرق

گڈے اور گڑیا کا اب کس کو مزا　　کچھ کا کچھ یاں کھیل اور ہی ہو گیا

جب مجازی کا نہ ہو یارو بیان　　پھر حقیقت کس طرح ہووے عیان

گو مثل یہ ہے مجازی اے عزیز　　پر حقیقت کو یہیں سے کر تمیز

تجھکو اس عالم کی گر ہے آرزو　　دین و دنیا کو اٹھا رکھ ایک سو

کفر کافر را و دین دیندار را　　ذرۂ درد دل عطار را

درد ہے اور درد ہے اور درد ہے　　سب کچھ اس لذت کے آگے گرد ہے

جا مجازی میں قدم پہلے تو رکھ　　پھر حقیقت کا مزہ من بعد چکھ

درد سے آگاہ ہو پہلے عزیز　　پھر حق و ناحق کی آگے کر تمیز

جا بتون سے اول اپنا دل لگا　　دیکھ تو کرتا ہے پھر کیا کچھ خدا

پہلے ان کی دیکھ تو محبوبیان　　تا کہ ہو دین ظاہر ان کی خوبیان

بیوفائی ان کی جب ہو آشکار　　ان گلوں سے دل ہو تیرا خار خار

پھر سمجھ تو یہ کہ دنیا کچھ نہین　　گرچہ سب کچھ ہے پر اپنا کچھ نہین

سب سے کر دل خالی اور دل مین خود آ　　دل مین اپنے کچھ نہ لا غیر از خدا

دل ہے مرشد اور دل ہے راہبر　　دل کی اپنے ہی رکھا کر کچھ خبر

سب تو اپنے دل سے باہر کر ہوس　　یہ سخن رکھ یاد مجھ سے اور بس

سچ کہا ہے مولوی نے اے حسن　　ہوش ہو تو گوش میں رکھ یہ سخن

گوش خر بفروش دیگر گوش خر　　این سخن با در ندارد گوش خر

اس قسم کی کئی حکایتیں موجود ہین، مثلاً (۱) حکایت ابراہیم ادہم (۲) حکایت پیرزن (۳) حکایت ابو الحسن خرقانی (۴) حکایت دیگر ابراہیم ادہم (۵) حکایت دیگر ابراہیم ادہم، (۶) حکایت دیگر بطریق مثل (۷) نصیحت نمودن یحیٰی پیغمبر، (۸) حکایت فریدالدین عطار، (۹) حکایت مرد عارف نزد یحیٰی، (۱۰) حکایت سلطان درویش منش (۱۱) حکایت صوفی (۱۲) قصہ طالوت،

ان حکایات کے سلسلہ مین جابجا مثنوی معنوی کے موزون اور مناسب اشعار بھی شامل کرلئے ہین، جن سے صاف معلوم ہوتا ہے، کہ میر حسن نے مثنوی کا اچھا مطالعہ کیا تھا، اور رموز العارفین لکھتے وقت اسکی حکایات ان کے پیش نظر تھین،

اس مثنوی مین کئی باتین قابلِ غور ہین، ان مین سب سے پہلی میر حسن کے عقیدہ کا مسئلہ ہی، نعت کے بعد مدحِ اصحاب مین جو اشعار ہین، ان سے معلوم ہوتا ہی، کہ انیس کے جد اپنے عقیدہ مین ایسے شدید نہ تھے، جیسا بعد مین اس خاندان کے کلام مین نظر آتا ہے، بلکہ انھین عام اثنا عشری حضرات کے برخلاف تصوف سے بھی کچھ نہ کچھ لگاؤ تھا، یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ مدح صحابہ کے یہ اشعار جو مثنوی مین شامل ہین، الحاقی ہون گے، اور بعد مین شامل کردئے گئے ہونگے، کیونکہ قلمی دیوان کے حصۂ غزلیات مین پہلی غزل کے دو شعر یہ ہین :-

اصحابِ پاک اوس کے بظاہر ہین گو جدا     باطن مین پر ہی ایک ہی مظہر کریم کا

صدیق عادل اہلِ حیا مرتضیٰ علی     چارون سے مقصد ایک ہی طبع فہیم کا

اس کے بعد کے شعر یہ ہین :-

پس ذاتِ حق سمجھ لے تو ذات نبی علی     آگاہ گرچہ کون ہے سرِ علیم کا

ایک ہی ہین دو اگرچہ بظاہر ہین جسم دو     دیکھون نہ دو، یہ کام ہی چشم سقیم (؟) کا

دوسرا مقطع یہ ہی:-

دقتیکہ نور و نار کا مرجع ہوا ایک حسن     اہلِ نظر کو پھر نہین کچھ دخل بیم کا



دوسرا مسئلہ جو خاص طور پر قابلِ غور ہے، وہ مثنوی کا موضوع ہے، لکھنو کی شاعری کا آغاز شعرائے دہلی کے لکھنو پہونچنے کے بعد ہوتا ہے، لیکن شعرائے دہلی کا اثر ناسخ اور ان کے تلامذہ یا آتش اور ان کے شاگردون کے کلام مین بالکل معلوم نہیں ہوتا، ؟ یہ لوگ شاعری مین ایسا رنگ پیدا کرتے ہین جو خاص انکا ہی، اور جو اس عہد کی تہذیب و معاشرت کی ترجمانی کرتا ہی یہ وہ رنگ ہی جس پر آج تک ماتم کیا جاتا ہی، لیکن اسکی اصلاح پھر دلی کے ہی اثر سے ہوتی ہے، اصلاحی دور مین دو خاندان سب سے نمایان حصہ لیتے ہین ایک میر حسن کا خاندان، دوسرے مصحفی کا سلسلہ، میر حسن کے خاندان مین خلیق اور انیس نہ صرف مذہبی اور اخلاقی شاعری کا آغاز کرکے اسکی اشاعت کرتے ہین، بلکہ ان کے کلام مین جذبات نگاری کے وہ نمونے ملتے ہین جن کا لکھنوی شاعری مین فقدان ہے، دوسرا سلسلہ مصحفی کا ہی، اس میں اسیر کے شاگرد امیر پہلی مرتبہ لکھنو اسکول کی روایات کو بالائے طاق رکھکر داغ کے رنگ کو قبول کرتے ہین، چنانچہ ان کا دیوان صنم خانۂ عشق اسکی تائید کرتا ہے، علاوہ برین وہ نعت گوئی مین محسن کا اثر قبول کرتے ہین، اور میر حسن کی رموز العارفین کے رنگ مین خود ایک مثنوی لکھتے ہین، جس مین اسی طرح کی چھوٹی چھوٹی حکایتیں نظم کرتے ہین، امیر کے شاگردون مین ریاض خیرآبادی کا کلام لکھنوی شاعری کی تمام رنگینیون اور رعنائیون کو لئے ہوے ہی، لیکن اس کا بھی سب سے نمایان عنصر معرفت ہی، اس سے یہی ظاہر ہوتا ہی، کہ اگرچہ ابتدائی دور مین خاص حالات کی بناپر لکھنوی حضرات نے اپنا رنگ علحدہ کرلیا تھا، لیکن دہلوی شعراء اور ان کے کلام کا اثر برابر اپنا کام کر رہا تھا، اور لکھنوی شاعری مین جو کچھ اصلاح ہوئی، وہ انہی کی بدولت ہوئی

---

# استفسار و جواب

## کیا بدری صحابہ تعزیرات سے مستثنیٰ تھے؟

**جناب مولوی سید محمد اسحٰق صاحب** (ناظم ضیافت) قادیان ضلع گورداسپور (پنجاب)

سوال یہ ہے کہ غزوۂ فتح مکہ کی تیاری حضور علیہ السلام نے مخفی رکھی، مگر حاطبؓ بن ابی بلتعہ نے ایک خط مکہ والون کو اطلاع کا لکھا، جو راستہ مین پکڑا گیا، حاطبؓ سے جواب طلبی ہوئی ان کے بیان کے بعد حضرت عمرؓ نے مشورۃً عرض کیا کہ یہ شخص واجب القتل ہے، حضور نے کوئی سزا نہین دی اور فرمایا کہ اطلع اللہ علی اھل بدر وقال اعملوا ما شئتم قد غفرت لکم اَوْ قد غفر اللہ لکم، خلاصہ یہ کہ بدری صحابہ ایک ایسی قربانی کر چکے ہین، کہ آیندہ ہر بدری پر مغفرت ہوگی، نہ کہ سزا لیکن اس واقعہ کے چند سال بعد جنگ تبوک کے موقع پر تین صحابیون کو ایسی سخت سزا دی گئی کہ ضاقت علیھم الارض بما رحبت یعنی دنیا ان کی آنکھون مین تاریک ہوگئی، ان تین صحابہ مین سے کعب کو چھوڑ کر باقی دونون صحابی بدری تھے، سوال یہ ہے کہ ان دونون بدری صحابیون کے تخلف پر جو ایکشن لیا گیا کیا وہ ان الفاظ کا متحمل ہے، اعملوا ما شئتم فقد غفرت لکم؟ اگر نہین تو کیون؟

**معارف:۔** آپ کے استفسارات دو باتین ظاہر ہوتی ہین، ایک تو یہ کہ ان دونون واقعون کی جزئیات و تفصیلات شاید نگاہ مین نہ رہ سکین، دوسرے یہ کہ اعملوا ما شئتم کا وہ مفہوم شاید سامنے نہین



جو سلف صالحین سے آج تک سمجھا گیا ہے، اسی لئے بظاہر ان دونون واقعون مین منافات نظر آئی، اور بدری صحابہؓ کے ساتھ دو مختلف موقعون پر دو مختلف طرز عمل اختیار کرنے کا شبہہ پیدا ہوا، اس لئے مناسب ہے کہ پہلے ان دونون واقعون کی جزئیات کو نگاہ مین لے آیا جائے پھر امید ہے کہ اسی سے یہ حقیقت بھی آشکارا ہوگی کہ اعملوا ما شئتم کا اصل مدعا کیا ہے؛

حضرت حاطبؓ بن ابی بلتعہ سے جو کچھ صادر ہوا، وہ دراصل ان کی اجتہادی غلطی کے باعث پیش آیا، اس کا خاص سبب یہ تھا کہ اس وقت مدینہ منورہ و مکہ معظمہ کے باشندے ایک دوسرے کے لئے حالتِ جنگ مین تھے، بیشتر صحابہ جو مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ آگئے تھے، ان کے خاص اہل و عیال ان کے ساتھ تھے یا اگر وہ مکہ معظمہ مین رہ گئے تھے، تو ان کے اہل و عیال کے خاص اعزہ بھی حالت کفر مین وہان موجود تھے، اس لئے ان مہاجر صحابہ کے ان عزیز و اقارب کو کوئی گزند پہونچنے کا احتمال نہ تھا کہ وہ دونون مسلم و کافر اعزہ کے مشترک عزیز و اقارب تھے، لیکن حضرت حاطبؓ کے عزیز و اقارب کی صورت حال اس کے برعکس تھی، وہ خود ہجرت کر کے مدینہ منورہ چلے آئے تھے، اور غزوات مین شریک ہوئے تھے، ان کے ہاتھون سے کفار قتل ہوئے تھے، ان کے خلاف مکہ والون کے دلون مین انتقام کا جذبہ پایا جاسکتا تھا، اور ان کے جو عزیز و اقارب مکہ مین موجود تھے، مکہ والون مین سے ان کا کوئی رشتہ دار یا حامی و مددگار موجود نہ تھا، یہان مدینہ منورہ مین مکہ پر چڑھائی کرنے کی تیاریان ہو رہی تھین، اور جذبات کے نئے سرے سے مشتعل ہونے کا موقع آرہا تھا، اس لئے انھین اپنے ان اعزہ و اقارب کی فکر لاحق ہوئی، اس موقع پر ان کی انسانی کمزوری نے انھین ایک راہ دکھائی، اور قریش کو زیر بار احسان کرنے کے لئے مخفی خط لکھ کر انھین مکہ پر حملہ کے ہونے کی اطلاع بھیج دی تاکہ اس کے صلہ مین قریش ان کے عزیز و اقارب کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئین، آنحضرت صلعم اس راز سے مطلع ہوئے، اور حضرت علیؓ اور چند دوسرے صحابہ کو اس قاصد کے تعاقب مین بھیجا، وہ مراسلہ پکڑا گیا، اور آنحضرت صلعم نے حضرت

حاطبؓ سے اس جرم پر سرِ مجلس جواب طلب فرمایا، انھون نے عذر خواہی کیساتھ کہا :-

| | |
|---|---|
| لاتعجل علیّ انی کنت امرأ ملصقاً | میرے متعلق جلدی نہ فرمائیں، مین قریش |
| فی قریش ولم اکن من انفسھا و | مین سے نہین، بلکہ ان میں شامل ہوگیا ہون |
| کان من معک من المھاجرین لھم | اور آپ کے ساتھ جو مہاجرین ہین مکہ مین ان |
| قرابات بمکۃ یحمون بھا اھلیھم | کی رشتہ داریان ہین، جن کے ذریعہ سے وہ |
| واموالھم فاحببت اذ فاتنی ذلک | اپنے اہل وعیال و اموال کو بچا سکیں گے، اسلئے |
| من النسب فیھم ان اتخذ عندھم | جب کہ مین ان کے ساتھ کسی نسبی تعلق سے محروم |
| یداً یحمون بھا قرابتی وما فعلت | ہون، تو مین نے چاہا، کہ ان پر ایک احسان کرون |
| کفراً ولا ارتداداً ولا رضیً بالکفر | جس کے ذریعہ سے میرے رشتہ دارون کی حفاظت |
| بعد الاسلام، | ہو سکے، ورنہ مین نے نہ یہ از روے کفر کیا، اور |
| | نہ ارتداد کیا، اور نہ اسلام قبول کرنے کے بعد |

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حاطبؓ کی اس توجیہ سے مطمئن ہوئے، اور صحابہ سے فرمایا، "لقد صدقکم" انھون نے تم سے سچی بات کہدی، لیکن حضرت عمرؓ کی تشفی نہ ہوسکی، انھون نے ان کے اس جرم کو ان کے ارتداد پر محمول کیا، اور اسکی پاداش مین ان کی گردن اڑادینے کی اجازت چاہی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شانِ رحمت سے ارشاد فرمایا :-

| | |
|---|---|
| انہ قد شھد بدراً وما یدریک | یہ بدر مین شریک ہوچکے ہین، اور تمہین کیا |
| لعل اللّٰہ ان یکون قد اطلع علی اھل | معلوم کہ اللہ تعالی اہل بدر سے مطلع ہوچکا ہو |
| بدر فقال اعملوا ما شئتم فقد | اور ان سے کہا ہو کہ جو چاہو کرو مین تمہاری |
| غفرت لکم، | مغفرت کرچکا ہون، |



اور ایک دوسری روایت مین ہے، "فقد وجبت لکم الجنۃ" اور تمہارے لئے جنت واجب ہوچکی، بہرحال آنحضرت صلعم کی زبان مبارک سے یہ ارشاد سُن کر حضرت عمرؓ کا شبہہ دور ہوگیا، ان کی آنکھین ڈبڈبا آئین، اور کہا، اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتا ہے، (صحیح بخاری کتاب الجہاد والسیر باب الجاسوس و کتاب المغازی باب فضل من شھد بدراً)

دوسرے واقعہ کی حیثیت اس سے بالکل جداگانہ ہے، غزوۂ تبوک مین شریک ہونے کیلئے آپ نے عام منادی کرائی، جن لوگون کو اسلحہ اور سواری کی معذوری تھی، استطاعت رکھنے والون نے اس کارِ خیر مین امداد لیکر، ان کی سواری اور اسلحہ کا انتظام کیا، اور یہ بات عام طور پر سمجھی گئی، کہ بغیر کسی حقیقی عذر کے کسی مسلمان کے لئے روا نہین، کہ وہ اجازت کے بغیر اس غزوہ مین شریک ہونے سے باز رہ جائے، تبوک پہنچ کر شریک نہ ہونے والون کا جائزہ لیا گیا، تو معلوم ہوا کہ منافقین کی ایک جماعت شریک نہین ہوئی تھی، اس جماعت کا کفر وطغیان عیان تھا، ان کی اصلاح و قبول ایمان سے مایوسی ہوچکی تھی، اس لئے واپسی کے بعد آپ نے منافقین سے کوئی بازپرس نہیں فرمائی، ان کے علاوہ مسلمانون مین سے کچھ معذورین تھے، ان کے عذر سن کر ان کی معذرت قبول فرمائی، ان کے بعد صرف تین صحابہ ایسے نکلے، جن کے شریک نہ ہونے کا کوئی عذر ان کے پاس موجود نہ تھا، ان کے پاس سواریان اور اسلحہ موجود تھے، وہ شرکت کا عزم بھی رکھتے تھے، مگر آج کل پر وقت کو ٹالتے رہے، اور اس تساہل مین وقت گذر گیا، اور انھون نے اپنے تساہل و تغافل کا خود اقرار کیا، یہ تینون مومنین صادقین حضرت کعب بن مالک، حضرت ہلال بن امیہ و حضرت مرارہ بن ربیع رضی اللہ عنہم تھے، ان مین سے موخر الذکر دونون صحابہ غزوۂ بدر مین شریک رہ چکے تھے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تینون صحابہ کو فیصلۂ خداوندی کا انتظار کرنے کی ہدایت فرمائی، اسکے بعد انکا معاشرتی مقاطعہ کرنے کا حکم دیا گیا، یہ سزا شاید اس لئے تجویز کی گئی، ہو کہ ان سے جماعت سے علٰحدہ رہ جانے کی مسامحت ہوئی تھی، اس لئے جماعت ہی سے ان کا تعلق منقطع کیا گیا، کہ یہ احساس ہو کہ اگر وہ

جماعت جس سے وہ خود علحدہ رہے، وہ از خود اُن سے علحدہ ہو جائے، تو کیسی روحانی اذیت کا سامنا کرنا پڑتا، چنانچہ مسلمانون نے ان تینون صحابہ سے، دونون تک اپنے سارے تعلقات بالکل منقطع رکھے، نہ ان سے کوئی بات چیت کرتا، نہ ان کے سلامون کا جواب دیا جاتا، نہ ان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا جاتا، یہان تک کہ خاص اعزہ بھی ان کو کنارہ کش ہو گئے، اور آخر مین بیویون کو بھی حکم دیا گیا، کہ وہ اپنے میکے چلی جائین، لیکن یہ لوگ صبر سکون اور عزم وہمت سے توبہ واستغفار مین مصروف رہے، غسان کے عیسائی حکمران نے ان مین سے بعض کے پاس اپنا آدمی بھی بھیجا، لیکن اس آزمائش سے ان کے قدمون مین کوئی لغزش نہ آئی، یہان تک کہ ان کی توبہ کے قبول ہونے کی بشارت مین آیت نازل ہوئی، جس مین اس زمانہ مین ان کی زندگی کی کشاکش کا تذکرہ بھی آیا ہی، چنانچہ ارشاد ہی :-

وَعَلَى الثَّلَاثَةِ الَّذِينَ خُلِّفُوا حَتَّى إِذَا
ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ
وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ أَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوا
أَنْ لَا مَلْجَأَ مِنَ اللَّهِ إِلَّا إِلَيْهِ ثُمَّ تَابَ
عَلَيْهِمْ لِيَتُوبُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ التَّوَّابُ
الرَّحِيمُ

(توبہ ع ۱۴)

اور ان تینون شخصون پر جو (حکم الٰہی کے انتظار
مین) ملتوی رکھے گئے تھے، یہانتک کہ جب
زمین اپنی کشادگی کے باوجود ان پر تنگ ہو گئی
اور اپنی جانون سے بھی تنگ آگئے، اور سمجھے کہ
کہ اللہ سے سوائے اس کے کہین پناہ نہین
پھر اللہ نے ان پر توجہ کی، تاکہ وہ آئندہ بھی
رجوع رہا کرین، بیشک اللہ بہت ہی توبہ
قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا ہی،

ان آیات کے نزول کے بعد مسلمانون نے ان صحابہ کا پرتپاک خیر مقدم کیا، اور خود آنحضرت صلعم نے انہین ان کی توبہ کے قبول ہونے پر مبارک باد دی،

اب ان دونون واقعون کا فرق ملاحظہ ہو، حضرت حاطبؓ کے واقعہ مین اس موقع پر بنیادی



بات یہ ہی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ان کے اس جرم سے ان کے مرتد ہو جانے کا یقین ہوا، اور حضرت حاطبؓ نے جو عذر بیان کیا، اس کو اونھون نے قبول نہین کیا، اور ان کے ارتداد کے باعث ان کے قتل کئے جانے کا مطالبہ کیا، آنحضرت صلعم نے اپنے ارشاد مبارک وما یدریک الخ مین دراصل یہی یقین دلایا ہے، کہ اہل بدر نے بدر کی لڑائی مین جس ایثار، اخلاص، قربانی، اور جوش ایمانی کا ثبوت دیا ہے، اس سے یہ بعید ہے کہ وہ اسلام سے مرتد ہو جائین، اور خصوصًا اس لئے کہ ان کے خدماتِ جلیلہ کے صلہ مین انھین بشارت دیدی گئی ہی، کہ ان کی آیندہ زندگی مین ان سے لغزشین اور کوتاہیان سرزد ہو سکتی ہین، لیکن ان کی موت ان معاصی سے توبہ واستغفار کے بعد ہی ہو گی، اور اسی لئے اس موقع پر اہلِ بدر کے اہلِ جنت مین سے ہونے کی خوشخبری سنائی گئی، ارشاد نبوی کا یہی مفہوم سلف سے دور حاضر تک سمجھا گیا ہی، شیخ ابوبکر احمد بن علی رازی جصاص متوفی ۳۷۰ھ نے اس موضوع پر اپنی احکام القرآن مین تفصیلی بحث کی ہے، چنانچہ لکھتے ہین :

فَإِنْ قِيلَ قَدْ أَخْبَرَ النَّبِيُّ صَلْعَمْ أَنَّهُ
إِنَّمَا مَنَعَ عُمَرَ مِنْ قَتْلِهِ لِأَنَّهُ شَهِدَ
بَدْرًا وَقَالَ مَا يُدْرِيكَ لَعَلَّ اللَّهَ
قَدِ اطَّلَعَ عَلَى أَهْلِ بَدْرٍ فَقَالَ اعْمَلُوا
مَا شِئْتُمْ فَقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ فَجَعَلَ
الْعِلَّةَ الْمَانِعَةَ مِنْ قَتْلِهِ كَوْنَهُ مِنْ
أَهْلِ بَدْرٍ قِيلَ لَهُ لَيْسَ كَمَا ظَنَنْتَ
لِأَنَّ كَوْنَهُ مِنْ أَهْلِ بَدْرٍ لَا يَمْنَعُ
أَنْ يَكُونَ كَافِرًا مُسْتَحِقًّا لِلنَّارِ

اگر یہ کہا جائے کہ آنحضرت صلعم کے متعلق یہ کہا
گیا ہی کہ آپ نے حضرت عمرؓ کو حاطب کے قتل
کرنے سے اسلئے منع فرمایا، کہ وہ بدر مین شریک
ہو چکے تھے، اور آپ نے ارشاد فرمایا کہ تمہین
کیا معلوم شاید اللہ نے اہل بدر سے کہدیا ہو
کہ جو چاہو کرو مین تمہاری مغفرت کر چکا ہون
تو آپ نے ان کے قتل کئے جانے سے باز رہنے
کی علت یہ ظاہر فرمائی کہ وہ اہل بدر مین سے
ہین، تو اس معترض سے کہا جائے گا کہ واقعہ

اذ کر واللہ اعلم ان معناہ ما یاتی وریث لعل اللہ قد علم ان اھل بدر وان ذنبوا لا یموتون الا علی التوبۃ فیجوز ان یکون مرادہ ان فی معلوم اللہ ان اھل بدر وان ذنبوا فان مصیرھم الی التوبۃ والانابۃ

(احکام القرآن جلد ۳ صفحہ ۴۳۶)

ایسا نہین ہے، جیسا تم نے گمان کیا، اس لئے کہ ان کا اہلِ بدر مین سے ہونا یہ مانع نہین ہو سکتا کہ وہ کافر ہو جائین تو بھی دوزخ کے مستحق نہ ہون، بلکہ ارشادِ نبوی کے معنی یہ ہین کہ تمھین کیا معلوم شاید اللہ کے علم مین ہو کہ اہلِ بدر سے اگرچہ گناہ سرزد ہون باایں ہمہ ان کی موت اس وقت تک نہ ہوگی، جب تک وہ اپنے گناہ سے توبہ نہ کرلین، اس لئے یہ ہو سکتا ہے کہ ارشادِ نبوی کا اصل مدعا یہ ہو کہ یہ اللہ کے علم مین ہے، کہ اہلِ بدر سے اگرچہ گناہ بھی سرزد ہو جائین، تو بھی وہ توبہ و انابت ہی کی طرف لوٹ جائین گے،

دوسری طرف غزوۂ تبوک مین شریک نہ ہونے والون کا معاملہ اس سے علٰحدہ تھا، بعض اہلِ علم نے اسکی وجہ یہ بیان کی ہو کہ اگرچہ جہاد فرض کفایہ ہو لیکن یہ تینون صحابہ انصاری تھے، اور وہ عمومیت کے ساتھ جہاد کی بیعت کر چکے تھے، اس لئے بلا کسی عذر کے کسی غزوہ مین ان کا شریک نہ ہونا، نقضِ عہد تھا،

علامہ ابن حجر نے اسکی مزید توضیح مین حسب ذیل آیت سے استدلال کیا ہو، اللہ تعالیٰ فرماتا ہو،

ما کان لاھل المدینۃ ومن حولھم من الاعراب ان یتخلفوا عن رسول اللہ (توبہ-۱۵)

مدینہ اور اس کے اردگرد کے دیہاتیون کے لئے زیبا نہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پیچھے رہ جائین،



اس لئے اہلِ مدینہ مین سے جس سے عملِ تخلف سرزد ہوا، وہ علی الاطلاق موردِ عتاب بنا، چہ جائیکہ بدری صحابہ سے یہ مسامحت عمل مین آجائے، کہ دین مین ان کو بلند رتبہ حاصل ہونے کے باعث ان پر دوسرون سے زیادہ ذمہ داریان بھی ہین، اور اگر ان سے کوئی بات پیش آجائے، تو وہ زیادہ قابلِ مواخذہ ہین کیونکہ

ان القوی فی الدین یؤاخذ باشد مایؤاخذ الضعیف فی الدین،

(فتح الباری جلد ۸ صفحہ ۹۳-۹۴)

دین مین جو قوی ہین، ان سے زیادہ سختی سے مواخذہ ہے، بہ نسبت ان کے جو دین مین کمزور ہین،

اور یہ سخت گیری ان کے تزکیہ و اصلاحِ باطن کے لئے خود ان کے حق مین مفید تھی، چنانچہ اس موقع پر ان متخلفین مین سب سے بلند رتبہ یہی تینون صحابہ تھے، اور انہی تینون سے یہ مواخذہ کیا گیا، اور انہی کو یہ شرف حاصل ہوا کہ ان کی توبہ کی مقبولیت کی بشارت مین آیت قرآنی نازل ہوئی، اسلئے اعملوا ما شئتم کا یہ مقصد نہین کہ اہلِ بدر ہر قسم کی حدود و تعزیرات کی ذمہ داریون اور ہر قسم کی بازپرسوں سے نعوذ باللہ مستثنیٰ قرار دیدیئے گئے، یہ مفہوم صدرِ اول کے کسی صاحبِ علم کے ذہن مین نہین آیا، اسلئے واقعۂ بدر کے بعد جب کسی بدری صحابی سے کوئی لغزش وقوع مین آئی تو عہد رسالت مین بھی وہ موجبِ تعزیر سمجھی گئی، بلکہ جیسا کہ اوپر گذرا، دین مین ان کے اعزاز کے باعث زیادہ سختی کے ساتھ ان سے مواخذہ کیا گیا، دوسرا واقعہ حضرت مسطح رضؓ بن اثاثہ کا ہو، یہ واقعۂ افک مین شریک تھے، اُن کی ماں نے حضرت عائشہ رضؓ کے سامنے انھین بددعا دی، حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ نے فرمایا کہ یہ بدری صحابی ہین، انھین ایسا نہ کہو، ان کی ماں نے حضرت عائشہ رضؓ کو پہلی مرتبہ اس روح فرسا اتہام سے باخبر کیا، اس کے بعد قرآن مجید مین آیت برأت نازل ہوئی، اس وقت دوسرے مجرمون کے ساتھ حضرت مسطح رضؓ پر بھی تہمت تراشی کی حد جاری کی گئی، لیکن جب حضرت ابوبکر رضؓ نے اس واقعہ سے متاثر ہو کر اس سلوک و امداد کو بند کر دیا جو وہ حضرت مسطح رضؓ کیساتھ کیا کرتے تھے، تو اسکی ممانعت مین آیت ولا یأتل اولوا الفضل منکم، الآیہ (نور-۲) نازل ہوئی، اور پھر حضرت ابوبکر صدیق رضؓ حسب معمول ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتے رہے، (بخاری

ج ا ص ۵۱۳، ۳۶۴ فتح الباری ج ۸ ص ۳۵۵، ۳۶۷ و اسد الغابہ ج ۴ ص ۳۵۵) اسی طرح عہد فاروقی میں مشہور بدری صحابی حضرت قدامہ بن مظعون بحرین کے والی مقرر کئے گئے تھے، ان پر شراب نوشی کا الزام لگایا گیا، جو حضرت عمر فاروقؓ کے نزدیک پایۂ ثبوت کو پہونچا، اور ان پر شراب نوشی کی حد جاری کی گئی، (استیعاب جلد ۲ ص ۵۴۰) اسی طرح اگر خدانخواستہ نعوذ باللہ حضرت حاطبؓ مرتد ہو جاتے یا اونھون نے اسلام کو نقصان پہنچانے کی نیت سے یہ مخبری کی ہوتی تو وہ بھی سزا کے مستوجب ہوتے، اور حضرت عمر فاروقؓ کو ان کے مرتد ہونے کا یقین آیا، اس لئے انھون نے ان کے قتل کئے جانے کا مطالبہ کیا، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اجمالاً ان کے اس خیال کی تردید کی، پھر دوسرے درجہ کے الزام اسلام کو نقصان پہنچانے کی بدنیتی سے بھی ان کے دامن کو پاک تصور فرمایا، اور اون کی وہ تاویل قبول فرمائی، جو اس مخبری کی توجیہ میں اونھون نے بیان کی، علامہ ابن حجر نے ایک سے زیادہ موقعون پر اس واقعہ سے بحث کی ہے، جس مین اس واقعہ کے یہ نکات جابجا بیان کئے ہین، چنانچہ ایک موقع پر فرماتے ہین کہ

"جب حضرت عمرؓ نے ان کے نفاق کا یقین کرکے ان کے قتل کرنے کی اجازت چاہی، تو آپؐ نے فرمایا کہ وہ بدر مین شریک ہو چکے ہین، پھر آپ کو یہ گمان گذرا کہ محض ان کی شرکت بدر نے انھیں قتل ہونے سے باز رکھا، تو دراصل آپؐ نے اس کے جواب مین فرمایا، کہ تمھین کیا معلوم شاید اللہ تعالیٰ اہل بدر پر مطلع ہو چکا ہو، اور ان سے کہہ چکا ہو کہ جو چاہو کرو، مین نے تمھاری مغفرت کی.....

اس سے مراد آخرت مین ان کا مغفرت پانا ہے، ورنہ اگر مثلاً ان مین سے کسی پر حد واجب ہوتی، تو وہ دنیا مین ساقط ہو جاتی، ..... یہ دراصل اہل بدر کے لئے ان کے شرف و اکرام کا خطاب ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ انھیں ایسی حالت حاصل ہو گئی ہے کہ ان کے پچھلے گناہ معاف ہو چکے ہین، اور ایسی اہلیت پیدا ہو گئی ہے کہ ان کے اگلے گناہ بھی معاف ہو جائین گے، لیکن صلاحیت کے وجود کے لئے اس کا وقوع ضروری نہین ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی پیشینگوئی کو



سچ کر دکھایا، کہ اونھون نے ہمیشہ ایسے اعمال خیر مین زندگی گذاری جو ان کے لئے جنت کو واجب کرتے ہین، اور وہ اس دنیا سے اس وقت تک علٰحدہ نہین ہوئے، جب تک کہ انھون نے لغزشون سے توبہ نہ کر لی ہو، (فتح الباری جلد ۸ ص ۴۸۰ باب لا تتخذوا عدوی وعدوکم)

تقریباً اسی قسم کے مباحث علامہ عینی نے عمدۃ القاری جلد ۷ ص ۴۴ و جلد ۸ ص ۱۵۰ وغیرہ مین درج کئے ہین، اسلئے معلوم ہوا کہ "اعملوا ما شئتم" کا تعلق احکام دنیاوی کے بجائے آخرت سے ہے، اسکی تائید مین وہ حدیث بھی پیش کیجاتی ہے، جو آپ نے تراویح کی فضیلت مین بیان فرمائی ہے، کہ من قام رمضان ایماناً واحتساباً غفر لہ ما تقدم من ذنبہ اور پھر اس مین نسائی اور بعض دیگر روایتون مین "وما تاخر" کا اضافہ بھی منقول ہے، علامہ ابن حجر نے ان روایتون کو نقل کرکے انھین بھی "اعملوا ما شئتم" کی روایت کے اسی مفہوم کے طور پر قبول کیا ہے، جس کو اوپر بیان کیا گیا، (فتح الباری جلد ۴ صفحہ ۲۱۲ باب فضل من قام رمضان)

الغرض حضرت حاطبؓ کے واقعہ مین یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ ان کی نیت بری نہ تھی، بلکہ محض ایک موقع پر ایک صورت حال پیش آجانے پر انھون نے اپنے اجتہاد سے ایک ایسی روش اختیار کی، جس کے اختیار کرنے کی ممانعت مین کوئی تصریحی حکم موجود نہ تھا، لیکن ان کے اجتہاد نے ان کی غلط رہنمائی کی، اور ان سے سوال و جواب کے ذریعہ بازپرس ہونے کے بعد اس کی ممانعت مین ایک تصریحی حکم نازل کیا گیا کہ

| | |
|---|---|
| یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ | اے ایمان والو میرے اور اپنے دشمنون کو |
| وَعَدُوَّکُمْ اَوْلِیَاءَ تُلْقُوْنَ اِلَیْھِمْ بِالْمَوَدَّۃِ | دوست نہ بناؤ کہ ان کی طرف دوستی کا پیام |
| (ممتحنہ ع ۱) | بھیجنے لگو، |

یہ آیت حضرت حاطبؓ کے اسی واقعہ پر نازل ہوئی، جس سے یہ استشہاد ورد کیا گیا، کہ کسی آئندہ موقع پر اپنی اولاد و مال کی حفاظت کے لئے کوئی ایسی روش دوبارہ اختیار نہ کیجائے، جیسی کہ حضرت حاطبؓ

نے اپنی اجتہادی غلطی سے اختیار کی، بلکہ اگر کسی موقع پر مال و اولاد کی حفاظت کا امکان، اسلام کے کسی بنیادی مقصد کو نقصان پہنچا کر حاصل ہو سکتا ہو تو مال و اولاد کی خاطر ایسی روش کے اختیار کرنے کی اجازت نہ ہوگی؛

چنانچہ شیخ ابو بکر جصاص متوفی ۳۷۰ھ اس آیت کے ذیل میں فرماتے ہیں:

ظاھرما فعلہ حاطب لا یوجب الردۃ وذلک لانہ ظن ان ذلک جائز لہ لیدفع بہ عن ولدہ ومالہ کما یدفع عن نفسہ بمثلہ ... وبیتبیح اظھار کلمۃ الکفر ومثل ھذا الظن اذا صدر عنہ الکتاب الذی کتبہ فانہ لا یوجب الاکفار ولو کان ذلک یوجب الاکفار لاستتابۃ النبی صلعم فلما لم یستتبہ وصدقہ علی ما قال علم انہ ما کان مرتدا ... وفی ھذہ الآیۃ دلالۃ علی ان الخوف علی المال والولد لا یبیح التقیۃ فی اظھار الکفر وانہ لا یکون بمنزلۃ الخوف علی نفسہ لانہ نھی المؤمنین عن مثل ما فعل حاطب مع خوفہ علی اھلہ ومالہ۔

(احکام القرآن جلد ۳ صفحہ ۴۳۵، ۴۳۶)

حاطب نے جو کچھ کیا اس سے معلوم ہوا کہ وہ ارتداد کا موجب نہیں ہوا، اس لئے کہ انھوں نے گمان کیا کہ ایسا کرنا ان کے لئے اس بنا پر جائز ہوگا، کہ اس کے ذریعہ سے وہ اپنی اولاد و مال کی حفاظت کر سکیں، جیسا کہ ایسے موقع پر اپنی جان بچائی جاتی ہے، اور کلمۂ کفر کا زبان سے کہہ دینا جائز سمجھا جاتا ہے، اور اسی قسم کا انھیں گمان تھا جب کہ وہ مکتوب اونھوں نے بھیجا، اس لئے اس سے ان پر کفر لازم نہیں آیا، اگر اس سے ان پر کفر لازم آتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان سے توبہ کراتے، حالانکہ آپ نے اُن سے توبہ نہیں کرائی، اور جو کچھ انھوں نے کہا اسکی تصدیق فرمائی، اس سے معلوم ہوا کہ وہ مرتد نہیں ہوئے، ...... اور اس آیت سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ اگر مال و اولاد کے لئے خوف ہو تو کفر ظاہر کر کے تقیہ کرنا مباح نہ ہوگا اور یہ اس منزل میں نہ ہوگا جیسا کہ اپنی جان کے لئے ہوتا ہو اس لئے کہ مسلمانوں کو اس قسم کی حرکت کرنے کی ممانعت کی گئی جیسی کہ حاطب نے اہل و مال کے نقصان پہونچنے کے خوف سے کی تھی

امید ہے کہ تصریحات بالا سے صورتِ حال واضح ہو گئی ہو کہ "اعملوا ما شئتم" کا تعلق تمام تر آخرت سے ہے، ورنہ دنیادی قوانین و تعزیرات بلا استثنا و امتیاز سب کے لئے یکساں نافذ تھے، اور اس حقیقت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بارہا بیان فرمایا، اور تصریح فرمائی کہ "اگر بالفرض محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بیٹی فاطمہ رضؓ بھی چوری کریں تو ان کے بھی ہاتھ کاٹے جائیں گے"، حالانکہ ان کے جنتی ہونے کی بشارت ہے؛

"وس"

---

## جلد ششم سیر الصحابہ

اس میں عہد صحابہ کی چار اہم ہستیوں حضرت حسین رضؓ، امیر معاویہ رضؓ، اور عبداللہ بن زبیرؓ کے مفصل حالات و سوانح، اخلاق و فضائل اور ان کے مذہبی اخلاقی اور سیاسی مجاہدات اور کارنامون اور ان کے باہمی سیاسی اختلافات کی تفصیل ہے، واقعۂ کربلا اور امیر معاویہ کے متعلق اردو میں اس سے زیادہ مستند اور تحقیقی حالات نہیں مل سکتے۔

ضخامت صفحہ، قیمت :- عہ

**منیجر**

# وفیات

## رثاء آخر بموت سیدی حکیم الامۃ قدس اللہ سرہ

بقلبی هموم لا یکاد یزول　　ثقیل وهم العاشقین ثقیل

یسهرنی لیلا طویلا ولم اکن　　لاسهر الا ان یبین خلیل

الی الله اشکو ما الاقی من النوی　　ولو ان قلبی للجبال حمول

کأن بعینی ما بقلبی من الجوی　　فمن طرفها عین الحمیم تسیل

وداع دعا اذ قام باللیل ناعیا　　فطار بقلبی القول حین یقول

فقلت له کن غیر اشرف ناعیا　　فدته الوری لو للفداء قبول

فبکی ونادی ان اشرف قد ثوی　　فضجت قلوب بالبکا وعقول

نعی خیر اهل الارض نفسا ومحتدا　　واشرف خو یحتویه قبیل

مجدد هذا القرن حقا حکیمه　　فقیه لدیه للفروع اصول

مفسر هذا العصر من غیر ریبة　　له فی المعالی رأیة ورعیل

تقی نقی حجة ذو اصابة　　من الرأی اذ رأی الانام افول

له کتب فی کل علم جمیلة　　بها یشتفی الطالبین غلیل

تفطر قلبی اذ رایتک راحلا　　وکادت له شم الجبال تزول



فواحسرتا ما اقبح البین بیننا　　وافظعه والنائبات تهول

ویا قاتل الله النوی ما امره　　واصعبه للمرء حین یصول

فیالیت ایام الفراق سر واحلا　　ویالیت ایام الوصال تؤول

فمن لعلوم قد کشفت لنا مها؟　　ولم یقتبسها عن سواک سؤل

ومن لمعان قد نطقت بسرها؟　　وذلت باقدام العقول وحول

ومن لنکات قد فتحت کنوزها؟　　لها عز بین الوری وحجول

ومن لعضال اعجز الناس طبه؟　　وانت لکشف المعضلات کفیل

ومن لبیان فی القلوب مؤثر؟　　وبعدک قول القائلین فضول

یبکیک اهل العلم والبر والنهی　　سواء شباب منهم وکهول

یبکیک اهل الزهد والورع والتقی　　بآماقهم مثل العیون سیول

یبکیک اهل الارض فی کل لیلة　　وفی کل یوم رنة وعویل

فقد حاق بالناس البلا کل جانب　　وکنت طبیبا والزمان علیل

وکنت ملاذا للانام غیاثهم　　ووجهک سیف للهموم صقیل

تذکرت ایاما مضت فی حلاوة　　اذ انت حی والزمان جمیل

مضت فمضی ما کان من طیب عیشة　　بمجلس خیر ما لذاک عدیل

اقوم وما لی غیر ذکرک ملهج　　وارقد والافکار فیک تجول

بنفسی من لم ینسنی عند موته　　دعانی باسمی واللسان کلیل

وقد کان فیما قبل یومین خالی[1]　　کتابا له فی المرجفین صلیل

---

[1] قال رضی الله عنه یوم السبت بعد الظهر والمجلس غاص باهله وذلک قبل موته بیومین

یبشرنی انی لعیسی بن مریم ببرکته انموذج ومثیل

علیها مع الامین السلام تحیة من الله ما یتلو العروج نزول

بشارة شیخ عارف قرب موته لنعمة ربی آیة و دلیل

جزاه اله العرش خیرا یمده بخیر عظیم والجزاء جزیل

جریح الفواد ظفر احمد عفا عنه وسط شعبان سنة ۱۳۶۲ھ

---

(بقیہ حاشیہ ۳۰۷) اتونی بمقلمتی فاتوہ بہا فاخرج منہا قرطاسا صغیرا و کتب فیہ بیدہ وہو ترتعشان من الضعف "هنیئا لکم انموذج آیة وجعلناها وابنها آیة للعالمین" ثم دعانی باسمی واعطانی هذا المکتوب وقال انی لا اقدر علی الکتابة مستبینا فان اعوزت علیک القراءة کتبتها لک ثانیا قلت لا اسومکم الکلفة اخری فقرأ لی اول کلمة منها فانها غیر مستبینة فقال هنیئا لکم قلت قد قرأت الآن کله وسررت بوجده فقال ینبغی لک السرور وشبہ ۱۲ اسلہ وفی ذلک ایماء الی وجه شبهه وتشبیهه والقول فیه طویل ای فی لفظی العروج والنزول فانهما من مصطلحات القوم فافهم ۱۲

## "اب موت العالِم موت العالَم حق ہے یہ تاریخ ہوئی"

از

پروفیسر سید نواب علی صاحب ایم اے

معارف میں مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے سانحۂ ارتحال کی سُرخی "موت العالم موت العالم" لکھی گئی تھی، مولوی سید نواب علی صاحب نے جو مولانا کے اہلِ عقیدت میں سے ہیں، اس سے ایک دلچسپ تاریخ نکالی ہے جو درج ذیل ہے:

صد حیف جہانِ فانی سے فردوس بریں میں جا پہنچے جو حکیم امت و اشرف تھے اور تقضی بھی مانند علی

سب انکو جنید ہند کہیں گے کہ جہان آگاہ تھے وہ عارف تھے وہ کامل تھے وہ دین کی حجت اور ولی

نواب سن رحلت سے بجز قرب قیامت مستنبط اب موت العالم موت العالم حق ہے یہ تاریخ ہوئی

۱۳۶۲ھ



# ادبیات

## شہر رمضان الذی انزل فیہ القرآن

از جناب یحییٰ اعظمی

لئے سینہ میں برقِ طور پھر ماہِ صیام آیا شبستان جہان میں پھر تجلی کا پیام آیا

دلِ رندانِ مے آشام میں اک حشر برپا ہے کہ خمخانون میں پھر دورِ مے و مینا و جام آیا

ملائک عرش پر یہ زمزمہ خوش ہو کے گاتے ہین کہ مومن کے لئے پھر کیف و مستی کا مقام آیا

جو تھے زار و زبون مدت سے پھر ان تشنہ کامون کو بحمد اللہ پیام لذتِ شُرب مدام آیا

مساجد ہین کہ میخانے ہین یا رب ذکر عرفان کے جسے دیکھو یہاں وارفتگی میں تیز گام آیا

مستی کی صفین ہین یا ہے برپا محفلِ رندان ہے کیف "ورتل القرآن" یا گردش میں جام آیا

مدارج طے بہ طے گویا کئے طے اس نے عرفان کے سوئے میخانہ سرمستی میں جو ہر ایک گام آیا

ہوا ہر رند مینا در بغل اس بزم میں آکر اٹھا سرشار جو اس میکدہ میں تشنہ کام آیا

خدا کا شکر ہے مدت کے بعد ان پاک اوقات میں خدا کے پاک بندوں کے لئے دورِ قیام آیا

قیامِ لیل و تسبیح و تراویح و عبادت کا جدھر دیکھو نظر اک ذوق و شوق و اہتمام آیا

وہ ماہِ پاک جس میں لطفِ یزدان کی نوید آئی وہ ماہِ پاک جس میں رحمتِ حق کا پیام آیا

وہ ماہِ قدس جس میں عرش سے روح الامین اتری وہ ماہِ قدس جس میں فرش پر حق کا کلام آیا

وہ ہر اک وقفہ جس کا جھپٹا انوارِ ربانی — وہ ہر اک لمحہ جس کا درخورِ صد احترام آیا

وہ لیلائے شبِ قدر اس کے محمل مین ہی آئی تھی — کہ جس کا خالِ مشکین نقطۂ خیر و سلام آیا

بشارت انبیاے پاک جسکی دیتے آئے تھے — وہ انعامِ ازل اس ماہ مین جو کر تمام آیا

ہوا نازل سفینہ علم و عرفان و ہدایت کا — صحیفہ حق کا ہے کر یعنی خود خیر الانام آیا

بدل دی دل کی دنیا یک قلم ایمان و عرفان نے

کہ ہستی کے لئے اک تازہ روحانی نظام آیا

## مئے باقی

از جناب اسد ملتانی

مے و جام بے قصدِ ساقی نہین ہو — یہ محفل یونہی اتفاقی نہین ہے،

اُدھر مے مین بھی نشہ باقی نہین ہو — جدھر گوشۂ چشم ساقی نہین ہے،

تو پھر حسن ہے کس لئے جاودانی؟ — اگر عشق فانی ہے، باقی نہین ہے،

کہیں اُن کی بے التفاتی کا باعث — تری ہی تو کم اشتیاقی نہین ہے؟

جدائی بھی ہے وصل کا ایک پہلو — اگر تیری فطرت فراقی نہین ہے،

وہان بے نیازانہ شانِ تغافل — یہان طاقتِ صبر باقی نہین ہے،

کبھی ساتھ دے دل کی بیتابیون کا — خرد مین یہ چستی و چالاکی نہین ہے،

اثر کوئی دیکھے زبان اور دل کا — جہان ان مین نااتفاقی نہین ہے،

ہوئین اس قدر عام رندانہ باتین — کہ اب ان مین لذت ہی باقی نہین ہے،

اسد آج کل کی نئی شاعری مین

ابھی کچھ بھی خوش مذاقی نہین ہے،



# باب التقریظ والانتقاد

## صبح صادق

اسلامی ریاستوں مین بہاولپور کی تاریخ سے ملک کو پوری طرح آگاہی نہین، اس کا بڑا سبب یہ ہو کہ اس ریاست کی تاریخ کی کتابین اول تو ایک دو سے زیادہ نہ ہونگی، اور وہ بھی پبلک کے ہاتھون مین نہین، حالانکہ مسلمانونکو اس ریاست کی اس نسبت سے کہ وہ خلفاے عباسیہ کی یادگار ہے، قدرۃً غیر معمولی دلچسپی ہے، ایسی حالت مین بہاولپور کے ایک کہنہ مشق فاضل مورخ و اہل قلم دبیر الملک ابو الحسنات محمد عزیز الرحمان صاحب عزیز (ریٹائرڈ ڈسٹرکٹ جج بہاولپور و حال سپرنٹنڈنٹ میوزیم سلطانی و ناظم سررشتہ تالیفات بہاولپور) کا ممنون ہونا چاہئے کہ انھون نے صبح صادق لکھکر معلومات کے ایک نئے آفتاب کو طلوع ہونے کا موقع دیا ہو،

صبح صادق موصوف کی وہ تاریخی تصنیف ہے جس مین اونھون نے اس ریاست کی مستند تاریخ قلم بند کی تھی، اور اب اونھون نے مزید اضافون کیساتھ اسکا دوسرا اڈیشن شائع کیا ہے، چونکہ مصنف خود بھی ایک قدیم خاندان کی یادگار ہین، اور انھین اطراف و دیار سے ان کا تعلق رہا ہو اس لئے ان کے معلومات اس باب مین بہت رسا اور کار آمد ہین، اور جن کتابون کی مدد سے اس کو ترتیب دیا ہو، اون تک رسائی انھی کے لئے ممکن تھی،

کتاب کا نام "صبح صادق" ایک خاص معنوی لطف رکھتا ہو، صادق اس صداقت شعار ریاست کے اکثر والیون کے نام کا جزو رہا ہو، اور موجودہ فرمانروا کا بھی نام ہو،

کتاب حسب ذیل چار ابواب پر منقسم ہے،

باب اول:۔ مملکتِ خداداد بہاولپور کے فرمانروا خاندان عباسی کی قدیم تاریخ اور خلفاے بغداد و مصر کا مختصر تذکرہ، یہ باب ۳، صفحات مین مکمل ہوا ہے،

باب دوم:۔ عباسیون کا سندھ مین ورود، اور منزل بمنزل بہاولپور کی آبادی کا آغاز، اور امیر صادق محمد خان اول عباسی شہید سے نواب محمد بہاول خان عباسی رابع تک کے حالات ۱۲۸۲ھ/۱۸۶۶ء تک درج کئے گئے ہین، یہ باب ص ۴، سے شروع ہو کر ص ۱۳۱ پر ختم ہوا ہے،

باب سوم: جدید دور حکمرانی و اصلاحات کا ہے، جو نواب صادق محمد خان رابع عباسی اور نواب حاجی محمد بہاول خان خامس عباسی کے عہد ۱۲۸۲ھ/۱۸۶۶ء سے ۱۳۲۵ھ/۱۹۰۷ء تک کے حالات پر مشتمل ہے،

باب چہارم: یہ موجودہ اعلیٰ حضرت فرمانرواے بہاولپور نواب حاجی سر صادق محمد خان خامس عباسی خلد اللہ ملکہٗ کے احوال و سوانح کو محیط ہے،

کتاب کے آخر مین مصنف نے اپنے خاندانی حالات ذکر کئے ہین، جو بجاے خود اس علاقہ کی خاندانی تاریخ کا ایک مفید باب ہے،

اس کتاب کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے، کہ اس خاندان کے پہلے بانی امیر سلطان احمد ثانی المستنصر باللہ عباسی خلیفۂ اول مصر کی اولاد سے پانچوین پشت مین تھے، اس وقت مین ہندوستان کے تخت پر تغلق خاندان حکمران تھا، جس نے عباسیانِ مصر کی خلافت کو بڑی گرمجوشی سے قبول کر لیا تھا، اور یہ دیکھکر مصر کے بہت سے عباسی شہزادے ہندوستان چلے آ رہے تھے، امیر سلطان احمد بھی اپنی جماعت کے ساتھ ۷۶۶ھ/۱۳۶۶ء مین خشکی کی راہ سے مصر سے براہ بلوچستان سندھ مین وارد ہوئے، اور ایک ہندو ریاست پر قبضہ کر کے مستقل سکونت اختیار کر لی، آس پاس کے عربون نے بھی ان کے سایہ مین پناہ لی، تین پشتون کے بعد ایک ہندو راجہ دلو راے نے ان کو اس ریاست سے باہر کر دیا، اور یہ نکل کر کراچی کے پاس آ کر ایک زرخیز علاقہ پر قابض ہوئے،



اور یہین بہاء اللہ خان اول پیدا ہوئے، جو بہاول خان ہو کر مشہور ہوئے، اس خاندان کے ایک رئیس امیر چنے خان تھے، جنھون نے تیموری مغلون سے تعلق پیدا کیا، ان کے دو فرزند ہوئے امیر محمد داؤد خان عباسی اور امیر مہدی خان عباسی، باپ کی وصیت کے مطابق حکومت بڑے لڑکے امیر محمد داؤد خان کو اور تبرکات خاندانی و خلافتِ پدری مہدی خان کو ملی، اوس وقت سے اس خاندان کے دو ٹکڑے ہو گئے، جن مین آپس مین افسوسناک اختلافات ہوتے رہے، بہرحال امیر داؤد خان نے حکومت سنبھالی، لیکن ان کے اخلاف خاندانی جنگ و جدل مین پھنس کر ترک علاقہ پر مجبور ہوئے،

موجودہ ریاست بہاولپور کا بانی اوّل امیر صادق محمد خان اوّل کو کہئے، جن کی تخت نشینی کا زمانہ ۱۱۴۰ھ/۱۷۲۷ء ہے، ۱۹ سال حکومت کر کے شکارپور مین ۱۱۵۹ھ/۱۷۴۶ء مین وفات پائی، ذیل مین نوابانِ بہاولپور کے اسماے گرامی مع تاریخ درج کئے جاتے ہین،

۱ امیر صادق محمد خان اول سال جلوس ۱۱۴۰ھ/۱۷۲۷ء سال وفات ۱۱۵۵ھ/۱۷۴۶ء

۲ امیر محمد بہاول خان اول " ۱۱۵۵ھ/۱۷۴۶ء " ۱۱۶۳ھ/۱۷۴۹ء

۳ امیر محمد مبارک خان " ۱۱۶۳ھ/۱۷۴۹ء " ۱۱۸۶ھ/۱۷۷۲ء

۴ نواب محمد بہاول خان ثانی " ۱۱۸۶ھ/۱۷۷۲ء " ۱۲۲۴ھ/۱۸۰۹ء

۵ نواب صادق محمد خان ثانی " ۱۲۲۴ھ/۱۸۰۹ء " ۱۲۴۰ھ/۱۸۲۵ء

۶ نواب محمد بہاول خان ثالث " ۱۲۴۱ھ/۱۸۲۵ء " ۱۲۶۹ھ/۱۸۵۲ء

انھی کے زمانہ مین انگریزون سے تعلقات اور مصالحت کے شرائط طے ہوئے،

۷ نواب صادق محمد خان ثالث " ۱۲۶۹ھ/۱۸۵۳ء " ۱۸۶۱ء

انھون نے وفات گو ۱۸۶۱ء مین پائی، مگر یہ ۱۲۶۹ھ/۱۸۵۲ء مین چار ماہ کی مسند نشینی کے بعد معزول ہو گئے تھے،

۸ نواب فتح خان " ۱۲۶۹ھ/۱۸۵۲ء " ۱۲۷۵ھ/۱۸۵۸ء

زمانہ غدر کا ہنگامہ انھی کے دور میں ہوا،

۹ - نواب محمد بہاول خان رابع سال جلوس ۱۲۷۵ھ / ۱۸۵۸ء سال وفات ۱۲۸۲ھ / ۱۸۶۶ء

۱۰ - نواب صادق محمد خان رابع " ۱۲۸۲ھ / ۱۸۶۶ء " ۱۳۱۶ھ / ۱۸۹۹ء

انھی کے عہد سے ملک میں اصلاحات کا دور شروع ہوا،

۱۱ - نواب محمد بہاول خان خامس، ان کی دستار بندی خلافت ۱۳۱۶ھ / ۱۸۹۹ء میں ہوئی مسند نشینی کا سال ۱۳۲۱ھ / ۱۹۰۳ء اور وفات کا سنہ ۱۳۲۵ھ / ۱۹۰۷ء ہے حج سے واپس ہوتے ہوئے جہاز میں عدن کے پاس انتقال ہوا، ان کی سہ سالہ حکومت میں ریاست میں مدارس اور شفاخانے اور دوسرے صیغے قائم اور جدید دستور نافذ ہوا،

۱۲ - موجودہ نواب صادق محمد خان عباسی فرمانروائے دوازدہم سنہ ۱۹۰۴ء سال پیدائش ہے، انگریزی تعلیم حاصل کی سنہ ۱۹۰۷ء میں دستار بندی ہوئی، سنہ ۱۹۲۴ء میں مسند نشین ہوئے، مشرقی و مغربی تعلیم پائی ہے، کئی حج کر چکے ہیں، اور ان کے عہد میں بہت سے تعلیمی ادارے اور محکمے قائم ہوئے، تعلیمی صیغوں میں انگریزی کالج صادق ایجرٹن کالج اور عربی کے لئے جامعہ عباسیہ کا قیام عمل میں آیا، اور روز افزوں ترقیاں جاری ہیں، جن میں سے نہر کا اجرا بہت اہم ہے، جس سے ریاست کو بڑا فائدہ ہوا،

اہل علم مصنف کے ممنون ہوں گے، کہ انھوں نے اس ریاست کا حال لکھ کر تاریخ کے ایسے گوشوں کو روشن کیا ہے، جو مورخین کی نگاہوں سے پوشیدہ تھے،

کاتبوں کی سہل انگاری سے کہیں کہیں غلطیاں رہ گئی ہیں، ص ۶۲ پر مغل شہزادہ مراد بخش کا تذکرہ کیا گیا ہے جس کو اکبر بادشاہ کا بیٹا کہا گیا ہے، حالانکہ مراد بخش شاہجہان کے بیٹے کا نام تھا، اکبر کے بیٹے کا نام محمد مراد تھا جس نے سنہ [illegible] میں وفات پائی ہے،

مصنف کی یہ عبارت بھی ہم نہیں سمجھ سکے :-

امیر چنے خان نے سندھ میں عباسی حکومت کی بنیاد قائم کی اپنی طاقت اور اختیارات اور اثر سے



بہت بڑا رسوخ حاصل کیا، اور ہر دلعزیز حکومت کی، ایک مورخ کے قول کے مطابق ڈیڑھ سال کی عمر پا کر قضا کی، امیر مہدی (اس کے لڑکے کو حسب وصیت امیر چنے خان) کو مسند حکومت اور تخت امارت دیا گیا"۔

یہ ڈیڑھ سال کی عمر اور اس کے لڑکے اور امیر چنے خان اور دو جگہ "کو" نے مطلب کو خارج از فہم کر دیا ہے؛ شروع ص ۲ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بانی اسلام کا لفظ بھی موزوں نہیں، اصلاح کے قابل ہے؛ ص ۲ میں خدیجہ بنت خو را چھپ گیا ہے، خویلد چاہئے، مملکت خداداد بہاولپور شمالی ہندوستان میں سب سے بڑی اسلامی ریاست ہے، پنجاب کے جنوب مغرب کنارے پر دریائے گھارا اور سندھ کے بائیں ساحل پر یہ ریاست تقریباً تین سو میل لمبی اور اوسطاً پچپن میل چوڑی حدود میں واقع ہے، اس کا مجموعی رقبہ سترہ ہزار میل مربع ہے، اور اس میں تیرہ لاکھ بتیس ہزار سات سو تینتیس نفوس کی آبادی ہے، جس میں ۵/۶ مسلمان اور باقی ہندو سکھ عیسائی وغیرہ قومیں ہیں، اس نسبت تعداد کی بنا پر غالباً یہ سب سے خالص اور سب سے زیادہ قوی اسلامی ریاست ہے، اس کے شمال میں پنجاب کے اضلاع منٹگمری، ملتان، مظفر گڑھ، اور ڈیرہ غازی خان ہیں جنوب میں راجپوتانہ کی ریاست ہائے بیکانیر و جیسلمیر مشرق میں پنجاب کا ضلع فیروزپور اور کسی قدر ریاست بیکانیر اور مغرب میں سندھ کے اضلاع سکھر اور جیکب آباد واقع ہیں، ریاست کے اندر پانچ سو میل لمبی ریلوے لائن بچھی ہے، آمدنی کا حساب گو اس کتاب میں نہیں، لیکن اندازہ ستر لاکھ کا ہے،

عباسی خاندان اور بغداد کی نسبت سے ریاست اور دار الریاستہ میں متعدد مقامات بغداد اور اور عراق کے مقامات سے موسوم ہیں، ایک اسٹیشن کا نام قطر السمارۃ ہے، تار گھر کا نام بغداد الجدید ہے وغیرہ، مصنف کی عرق ریزی اور محنت کی دوبارہ داد دیتے ہیں، جس کے بدولت اردو میں ایک مشہور اسلامی ریاست کی تاریخ مرتب ہو کر شائقین کے ہاتھوں میں آئی، کتاب مصنف کے پتہ سے مل سکتی ہے،

"س"

# مطبوعات جدیدہ

**قصص الحق** از جناب پروفیسر سید نواب علی صاحب تقطیع بڑی ضخامت ۱۵۰ صفحے، کاغذ

کتابت وطباعت بہتر قیمت ۸/ پتہ :- لال باغ لکھنؤ،

توریت وانجیل اور یہود ونصاریٰ کی دوسری قدیم مذہبی کتابون مین آفرینش عالم، تخلیق آدم اور گذشتہ انبیا ورسل علیہم السلام، اوران کی امتون کے اور بعض دوسرے سبق آموز حالات ہین، کلام مجید مین بھی عبرت اور بصیرت کے لئے یہ حالات بیان کئے گئے ہین لیکن ان دونوں میں بڑا فرق ہے، یہود ونصاریٰ نے اپنی کتابوں مین ان کے حالات کو مسخ کرکے افسانہ وداستان بنا دیا ہے، اور کلام مجید کے مندرجہ حالات حشو و زوائد سے پاک خالص عبرت وبصیرت کا مرقع ہین، محترم فاضل نے قصص الحق مین یہود ونصاریٰ کی کتابون کے قصص وحکایات کے اغلاط اوران کے نقائص کو واضح کرکے ان کے مقابلہ مین کلام مجید کے قصص حق کے امتیازی خصوصیات اوراس کے محاسن دکھائے ہین، اور آفرینش عالم، تخلیق آدم، طوفان نوح، حضرت ابراہیم، حضرت لوط، حضرت یوسف حضرت موسیٰ، حضرت داؤد، حضرت سلیمان حضرت الیاس، حضرت یونس، حضرت ایوب، اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام اوران کی امتون اور اصحاب مدین، بیت المقدس کے عروج و زوال، اصحاب کہف ورقیم، ذوالقرنین، یاجوج وماجوج اور دجال کے حالات وواقعات کی روایت ودرایت اور تاریخ واثری اکتشافات کی روشنی مین بڑی دقت نظر اور دقیقہ سنجی سے تحقیق کی ہے، اوران کے متعلق اسرائیلی قصص وحکایات کی اعجوبہ پرستی، داستان سرائی اور حاشیہ آرائی کو ظاہر کرکے قرآنی قصص



کی امتیازی خصوصیات ان کی تاریخی صحت اور اخلاقی وروحانی بلندی کو دکھایا ہے، ہر بحث مصنف کی وسعت نظر اور تحقیق وکاوش کا آئینہ ہے، انھون نے ہزارون سال کے تاریخی واقعات کی جن پر امتداد زمانہ اور انسانی افسانہ طرازی نے تاریکی کے تو بر تو حجابات ڈال دئے تھے، جس طرح تاریخ اور اثری اکتشافات کی روشنی مین تحقیق کی ہے، اس کا اندازہ صرف اہل نظر کر سکتے ہین لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے، کہ مصنف علام نے ان مباحث مین دور جدید کے عقل پرستون کے مذاق اوران کے شکوک وشبہات کے ازالہ کا زیادہ لحاظ رکھا ہے، اس لئے بعض واقعات کی تعبیر وتاویل اور تحقیق مین نقل پر عقل کا اور عرفان پر علم کا غلبہ نظر آتا ہے، خالص تاریخی مباحث مین تو تحقیق کے لئے پوری گنجایش ہے، لیکن، جن کا تعلق دین سے ہو، ان مین مصنف کے رمز شناس قلم سے عقلی تطابق پر زور دینا بیگانہ سا معلوم ہوتا ہے، تاہم تفسیر احمدی کی طرح ان مباحث مین تنہا عقل وتاویل ہی پر مدار نہیں ہے، بلکہ علم کی رہنمائی بھی ہے، اس لئے کتاب بازیچۂ عقل بننے سے بال بال بچ گئی ہے،

**ناصر جنگ شہید**، مولفہ جناب معین الدین صاحب تقطیع اوسط ضخامت ۲۰۰ صفحے، کاغذ

کتابت وطباعت بہتر قیمت ۱۲/ پتہ بزم یاقوت پورانی بن مکان نمبر ۱۳۵۹ روس پج ہاوس علی بربند گنج مصطفےٰ بازار حیدرآباد دکن

تیموری حکومت کے زوال کے بعد جنوبی ہند کی تاریخ مین آصف جاہ اول اوران کے جانشین نواب ناصر جنگ کا دور اس لحاظ سے بہت اہم ہے، کہ اسی دور مین جنوبی ہند مین بیرونی اقوام کے اثر واقتدار کا آغاز ہوا اور ہندوستان مین ایک نئے مستقبل کی بنیاد پڑی، جنوبی ہند اس کا خاص مرکز تھا، ہندوستان کی قسمت کے فیصلہ کے لئے ابتدا مین یہیں انگریزون اور فرانسیسیون مین کشمکش شروع ہوئی، لیکن اس دور کی اہمیت کے باوجود اردو مین اسکی کوئی مستقل تاریخ نہین تھی، پرانی تاریخون مین بھی اس عہد کے صرف جستہ جستہ حالات ہین، مولف نے ناصر جنگ شہید لکھکر تاریخ ہندوستان کی ایک اہم کڑی پوری کردی، اس کتاب مین دولت آصفیہ ناصر جنگ کے کسی قدر تفصیلی حالات ہین، اور اس کے ضمن مین اس عہد کی دکن کی دوسری ریاستون اور امراء کے حالات، ان کی باہمی کشمکش، انگریزون اور فرانسیسیون کی ریشہ کشی امرائے دکن سے حکومت آصفی کے تعلقات اور عہد بہ عہد

کے تغیرات، اور دکن کی سیاست مین فرانسیسیون کی مداخلت اور ان کی فریب کاریون کے حالات بھی آگئے ہین، کہ انھون نے کس طرح دکن کے امراء کی نااتفاقی اور خود غرضی سے فائدہ اٹھا کر دکن کی سیاست مین دخل اندازی شروع کی، اور ناصر جنگ کو قتل کرکے دکن مین کچھ دنون کے لئے بدامنی کا دروازہ کھول دیا، اگرچہ انگریزون کی تدبیرون کے سامنے بالآخر انھیں بھی مات ہوئی،

**روح اسلام** مؤلفہ جناب مولوی سید حسن صاحب آرزو تقطیع چھوٹی ضخامت ۶۰ صفحے کاغذ کتابت وطباعت بہتر، قیمت معلوم نہین، پتہ پھلواری شریف ضلع پٹنہ،

مؤلف نے اس کتاب مین روزہ، نماز، حج اور زکوٰۃ کے دینی اور روحانی فوائد اور ان کے دنیوی اور مادی مصالح کا فلسفہ بیان کیا ہے اور دکھایا ہے، کہ یہ عبادتین جس طرح روحانی تزکیہ کا ذریعہ ہین، اسی طرح ان سے بہت سے اجتماعی اور اخلاقی فوائد بھی حاصل ہوتے ہین، لائق مؤلف نے ان کے دنیاوی فوائد کا جو فلسفہ بیان کیا ہے، اس سے انکار نہین، لیکن درحقیقت تمام عبادتون کا اصلی مقصود صرف اظہار عبودیت، اور حصول رضاے الٰہی ہے، ضمناً اگر ان سے کچھ مادی فوائد بھی حاصل ہو جاتے ہین، تو وہ انکی مزید خیر و برکت ہے، شارع کا اصلی مقصود نہین، اس قسم کے فلسفون اور توجیہون کا ایک نقصان یہ ہوتا ہے، کہ پھر ان مین اعتدال قائم نہین رہتا، مثلاً اس کتاب مین عید کا یہ فلسفہ بیان کیا گیا ہے "ماہ صیام کے تیس دنون کے روزے سے جو خشکی، اور تکان پیدا ہو سکتی تھی، اس کے دور کرنے کے لئے ایک دن تہوار کا مقرر کر دیا گیا، تا کہ خوشی اور شادمانی کے ذریعہ مسلمان اپنی گذری ہوئی صعوبت کو بھول جائین" یہ سبب آفرینی محض ظاہر بینی ہے، درحقیقت عید کی نماز روزے کی تکان اور صعوبت کو بھلانے کے لئے نہین ہے، بلکہ ماہ صیام کے تکمیلی فرائض کی بجاآوری اور اس کے بخیر و خوبی ادائگی کے شکرانہ مین ہے، مسلمانون کی ہر عید کا مقصد صرف ذکر الٰہی ہے، ضمناً اور جو فوائد حاصل ہو جاتے ہین، وہ مزید ہین اصل نہین، جابجا تاریخی مسامحات بھی ہین، اور زبان و بیان بھی مؤلف کی نظر ثانی کا محتاج ہے،



**اردو کا سب سے بڑا شاعر اور محسن**، مؤلفہ جناب مولوی قاضی عبد الصمد صاحب سیوہاروی، تقطیع چھوٹی ضخامت ۲۰۴ صفحے، کاغذ، کتابت وطباعت بہتر، قیمت عہ علاوہ محصول ڈاک پتہ قاضی عبد الصمد صاحب بذریعہ مولوی فیض الدین صاحب ایڈوکیٹ عابد روڈ حیدرآباد دکن،

قدیم شعراء مین علمی استعداد، کمال فن، قادر الکلامی اور زبان کی اصلاح و صفائی کے اعتبار سے شیخ غلام ہمدانی مصحفی کا درجہ نہ صرف ان کے معاصرین بلکہ ان کے پیشرؤون مین بھی ممتاز ہے، ان کے سلسلۂ تلامذہ مین بڑے بڑے اساتذہ اور ہر صنف شاعری کے صاحب کمال شعراء پیدا ہوئے، اور یہ سلسلہ اب تک جاری ہے، ان مین بعض سلاطین اور امراء کے استاد بھی تھے، اس کے علاوہ مصحفی اور ان کے سلسلہ کے اور بھی امتیازات ہین، جناب قاضی عبد الصمد صاحب سیوہاروی نے اس کتاب مین مصحفی کے ان کمالات اور امتیازات پر مختصراً مگر جامع تبصرہ کیا ہے، اور پرانے اور نئے تذکرہ نگارون اور نقادان سخن کے بیانات کی روشنی مین اس عہد کے تین مشہور اساتذہ، میر، سودا اور انشاء سے مصحفی کا موازنہ کرکے ان کے مقابلہ مین مصحفی کے کمالات اور انکی جامعیت دکھائی ہے، اور ان پر جو اعتراضات کئے گئے ہین، ان کے جوابات دیئے ہین، لائق مؤلف نے تحقیق اور حسن مذاق سے کتاب لکھی ہے، اور مصحفی کے متعلق بہت سے معلومات فراہم کر دیئے ہین، جو کسی ایک جگہ مشکل سے ملیں گے، غلط العام کی بحث خاص طور سے مفید ہے، آزاد کے میٹھے تعصب کا پردہ بھی پوری طرح چاک کیا ہے، غرض ہر پہلو سے کتاب کامیاب اور اردو ادب مین ایک اچھا اضافہ ہے، البتہ موازنہ مین سودا اور میر کے کلام پر نکتہ چینی تنقید کی حد سے گذر کر خوردہ گیری کی حد تک پہونچ گئی ہے، کیونکہ جن باتون پر ان کے اعتراضات ہین، وہ ان کے زمانہ تک اعتراض کے قابل نہ تھین، اسی لئے اس زمانہ کے کم شعراء کا کلام ان سے خالی تھا،

**شمع ازل** از جناب اثر زبیری لکھنوی تقطیع بڑی ضخامت ۲۲۴ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر، قیمت عہ پتہ :- زبیر منزل پاٹا نالہ لکھنؤ،

نئے دور کے شعراء میں جناب اثر زبیری کا نام تعارف کا محتاج نہیں، وہ گو نئے دور کے شاعر ہیں، اور ان کو تغزل اور نئے طرز شاعری، دونوں پر پوری قدرت حاصل ہے، لیکن انھون نے اپنی شاعری کا موضوع مذہب، خصوصاً صحابہ کرامؓ کی مدح کو بنایا ہے، زیر نظر کتاب انھی نظمون کا مجموعہ ہے، اس میں اہل بیت کرام، ازواج مطہرات، خلفائے راشدین اور دوسرے اکابر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مناقب و فضائل، ان کے اسوۂ حسنہ اور عہد خلافت راشدہ کے کارنامون اور دوسرے مختلف مذہبی اور ملی موضوعون پر موثر، دلپذیر اور سبق آموز نظمیں ہیں، فضائل و مناقب کے بیان میں اعتدال اور تاریخی واقعات میں صحت کا پورا لحاظ رکھا گیا ہے، اور شاعر کی قادر الکلامی کی وجہ سے خشک تاریخی واقعات میں بھی لطف زبان و بیان میں فرق نہیں آنے پایا ہے، یہ نظمیں خیالات و جذبات اور تاریخی حیثیت سے پڑھنے اور بچون کو یاد کرانے کے قابل ہیں،

**من کیستم**، مولفہ جناب مرزا محمد عسکری صاحب تقطیع چھوٹی ضخامت ۱۳۰ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت معلوم نہیں، پتہ :- غالباً مصنف محمود نگر، لکھنؤ سے ملیگی،

ہماری زبان کے مشہور اور کہنہ مشق ادیب جناب مرزا محمد عسکری نے اپنے کم سن پوتے کے لئے اس کتاب میں اپنے مختصر خاندانی حالات لکھے ہیں، اور گلدستۂ احباب کے عنوان سے اپنے احباب خاص کا تذکرہ کیا ہے، اگر مصنف نے اس کتاب میں ذرا اور تفصیل سے کام لیا ہوتا، اور ضمناً لکھنؤ کی ادبی صحبتون کے حالات بھی لکھ دیئے ہوتے، تو ان کے قلم سے ایک اچھی ادبی یادگار ہو جاتی، اس اور س سے پیاس نہیں بجھتی، تاہم خود مصنف کے قلم سے ان کا تذکرہ قلم بند ہو گیا، امید ہے کہ مرزا صاحب کے قدر دانون میں یہ مختصر ادبی تحفہ مقبول ہو گا،

"م"

---

جلد ۵۲ ماہ ذی قعدہ ۱۳۶۲ھ مطابق ماہ نومبر ۱۹۴۳ء عدد ۵

## مضامین



## خط و کتابت کیلئے

ضروری اطلاع

معارف کے مضامین اور علمی استفسارات اور ان کے متعلق جملہ خط و کتابت شخصی نام کے بجائے صرف اڈیٹر معارف کے پتہ سے اور معارف اور دار المصنفین کے انتظامات اور فرمایشات کے متعلق منیجر صاحب دار المصنفین کے نام کی جائے، ان تمام امور کے متعلق میرے نام خط لکھنے سے تعمیل میں دقت ہوتی ہے، امید ہے کہ احباب مجھے زحمت سے بچانے کیلئے اس کا خاص طور سے خیال فرمائیں گے،

(سید سلیمان ندوی)